

صبح کا سحر

اُن کے ہاتھوں میں چراغِ سحری ہے یارو
جن کو معلوم نہیں صبح کب بھی ہوتی ہے

فیض الحسن خیال

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء

(دو ہزار)

پہلی بار:

دو روپے پچاس پیسے

قیمت:

فیض الحسن خیال

پبلشر:

محمد عارف الدین خوشنویس

کتابت:

عبدالرحیم وفا

سرورق:

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس

طباعت:

حیدرآباد

لئے کہتے:

۱۔ فیض الحسن خیال ۱/ ۲۲۰-۲-۲۰ موتی گلی حیدرآباد

۲۔ ادینی ٹرسٹ بک ڈپو، کنارا، بینک پلاننگ، فابریک روڈ حیدرآباد

۳۔ نیشنل بک ڈپو۔ چارکمان حیدرآباد

۴۔ کمرشیل بک ڈپو۔ چارکمان حیدرآباد



ستار ے ڈوب گے شمع بجھ گئی لیکن
خیال تیرا ابھی انتظار کرنا ہے

انتساب

تازہ اُجالوں کے نام۔

اب وصفِ رکوں میں بھی ہے تازہ اُجالوں کا خیال

شب کی دیوارِ سلیقے کے کراؤ پارو

تہذیب

فیض الحسن خیال کی شاعری
نقش ثانی
ڈاکٹر مسعود حسین خان
مصنف
نئی روشنی نئی آواز
زینت ساجدہ
موجِ مہا
خواجہ احمد عباس

۱۶، ۱۶	روشنی	۳	صبح کا سورج
۱۸	ابالوں کے بدن	۵، ۱۲	روشنی کا شہزادہ
۱۹	نئی صورتیں	۶	کچا دھواگا
۲۰	نئے چراغ	۷	سایہ دار درخت
۲۱	وقت	۹، ۸	پھولوں کی برسات
۲۲	زہر خاموشی	۱۰	غزالوں کا شہر
۲۳	چشم پوشی	۱۱	سیرا
۲۴	تنگی	۱۳، ۱۲	شعلوں کا بازار
۲۵	خطوطِ صبح	۱۵، ۱۴	مسافر
۲۶	شمیم گیسوئے شب		

۲۷	شبوں کا زہر
۲۹، ۳۸	فصلِ نگی کے چراغ
۳۱، ۳۰	آگ کا شہر
۳۲	صبح کا علاقہ
۳۳	دیوانے
۳۵، ۳۴	شبِ ستار
۳۷، ۳۶	ہلکتے آربا سبِ وفا
۳۸	سجائی کا آئینہ
۳۹	درستِ تشفا
۴۱، ۴۰	پیار کا رنگ
۴۲، ۴۳	اعتبارِ کرم
۴۵، ۴۴	فریاد
۴۶	حصارِ شہر
۴۷	دوری
۴۸	گلوں کے قافلے
۴۹	فجرِ مجسم
۵۱، ۵۰	حرفِ وفا
۵۳، ۵۲	قافلے
۵۵، ۵۴	میرا حبیب
۵۷، ۵۶	نئی بہار
۵۹، ۵۸	حسنِ گریزاں
۶۱، ۶۰	انتشارِ خیال
۶۳، ۶۲	اعنہ
۶۵، ۶۴	ہمراز
۶۷، ۶۶	وہم
۶۸	آئینِ میکہ

فیض الحسن خیال کی شاعری

فیض الحسن خیال حیدرآباد کی اس نئی پود سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی نوا میں باتیں
 تجلیں میں تاسیر پر داز اور جو نقد دل سے سودا کرنا جانتی ہے۔ فیض الحسن خیال نے
 ۱۹۵۲ء میں پہلی بار علی گڑھ کی ادبی فضا میں گنگنا نا سیکھا۔ لیکن تھوڑی سی مدت
 میں قطب شاہ کے اس سخن بنیاد شہر کے ادبی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔
 سرحد ہوا کہ حیدرآباد کے شاعروں کی نئی پود غور کو تعمیر و ترقی کی غیر ادبی اصطلاحوں سے
 بالائے کر چکی ہے۔ یہ اس شہر کی ادبی روایات کے عین مطابق ہے۔ اور اس کے لئے
 نیک فال بھی اس لئے کہ شاعرانہ تخلیق سماجی ہوتے ہوئے بھی بہر حال انفرادی ہوتی
 ہے۔ نہ درستی فن، رجحانوں سے نہیں اشخاص سے سرزد ہوتی ہے۔ خیال نے بھی اس بات
 کا خیال رکھا ہے کہ کسی مخصوص تحریر کا ٹھپہ اپنی شاعری پر نہ لگے دیں۔ انھیں اس بات
 کا پورا احساس ہے کہ شعر ہر طرحی سطح پر سے بحث نہیں کرتا بلکہ دل کی گہرائیوں کی امتحا
 لاتا ہے۔ وہ اجتماعیت کے دائرہ کو چارہ صفت سے ہٹا کر کرتا ہے۔ لیکن اس کا محور نقطہ

انفرادیت ہی ہوتا ہے۔

خیال کی شاعری کا پہلا مجموعہ ”موج صبا“ کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔
دوسرا مجموعہ ”موج کا سورج“ کے عنوان سے سات سال بعد اب شائع ہو رہا ہے۔ دونوں کے
درمیان ایک انداز کا ہے یعنی پہلے منتخب نظمیں اور ان کے بعد غزلیں۔ دونوں میں
غزلوں کا بیڑا نظموں سے بھاری ہے۔ ہر چند بعض نظمیں رابطہ مضمون و حادثہ تاثر اور
فکر کا رازہ آغاز و خاتمہ کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں۔ دونوں مجموعوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ
کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاعر ارتقا سے فن کی منزلیں برابر طے کر رہا ہے
اور ان مضمون میں بھی تبدیلیاں مسلسل ہو رہی ہیں۔ انفرادیت اور اجتماعیت کے
درمیان ایک تنگ و دو کا احساس ہوتا ہے۔ نئے احساس، نئے الفاظ کا پیکر اختیار کرتا،
میرے خیال میں جس شاعر کے مجموعہ کلام میں ایسے اشعار شامل ہوں وہ یقیناً
صاحبانِ ذوق کی توجہ کا مستحق ہے۔

زندگی بکنے چلی آئی ہے بازاروں میں
اس جنانے کے جہی کچھ دامن لگاؤ یارو

لوگ دیوانے کو بازار میں لے آئے ہیں
زخم پھر اُس کے نمودار ہوئے ہیں شائد

شراب خانے لٹاتا تھا کل جو مٹھل میں
وہ آج زہر کے دو گھونٹ کو ترستا ہے

ج

جو میرے سائے سے بھی تیز تیز چلتا تھا
سفر میں کون تھا وہ ہمسفر نہیں معلوم

گھل گئی یاد کی خوشبو مری تنہائی میں !
زخمِ دل اور ہنسنے غم کی نگہ بانی میں !

سنا ہے شہر میں دیوالے پھر سے آئے ہیں
انھیں یہ قتل کے الزام سب لگا دینا

ہر نوجوان شاعر کی طرح خیال کے سائے بھی فن اور تخلیق کا ایک لامحدود
میدان ہے۔ کامرانیوں کی بلند چوٹیاں بھی ہیں اور حلقہٴ صد کامِ تہنگ بھی۔۔۔
مذہبِ شعرِ جادہ پر شوق سے کم نہیں اور
جادہٴ شوق میں جانے ابھی کیا کیا ہوگا (خیال)

(ڈاکٹر) مسعود حسین خاں
صدر شعبہٴ لسانیات
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۱۳ مئی ۱۹۷۲ء

نفسِ ثانی

”صبح کا سورج“ آپ کی خدمت میں پیش ہے جس کو میں نے احساسات، تجربات، تجربات کا تسلسل، سماج کا پرچم، حسرتوں کا ٹھیل، آنکھیں کا چراغ، اور دیوانگی کا زخم بنانے کی مقدور سیر کو شش کی ہے۔

”صبح کا سورج“ میرا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو میرے جذبات، تجربات اور احساسات کا آئینہ ہے۔ تجھے میری ذات اور میرے ماحول نے جو کچھ دیا ہے اسی کو دہرا رہا ہوں۔ کامیابی کی حدوں کو چھوئے ہوئے تجربات کے، دھاروں پر مستقل مزاجی سے چلتے رہنا۔ دھوکے اور فریب کے تاریک شہروں میں افلاص و مروت کی شمعیں جلاتا۔ وقت کی بے ہاک نگاہوں سے جو صلہ منری کے ساتھ آنکھیں ملانا، غیر یقینی حالات اور الجھے ہوئے ماحول کے دامن سے موتیوں کو چیننا، سماج اور معاشرے کے عطا کئے ہوئے زخموں پر سلیقے سے مرہم رکھنا میرا مقصدِ شاعری ہے۔

”صبح کا سورج“ کہیے اردو کے نامور ادیب و نقاد ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب صدر شعبہ لسانیات مسلم یونیورسٹی فی ٹی ٹی ٹی نے پیش لفظ لکھا ہے۔ اس اعانت کیلئے میں موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

صبح کا سورج میں اردو کے صاحبِ دطرز ادیب خواجہ احمد عباس کا وہ مضمون بھی شامل ہے جو موصوف نے میرے پہلے مجموعہ ”موج صبا“ کی رسمِ اجرا کے موقع پر پڑھا تھا، اس کتاب میں اردو کی ممتاز و منفرد

ادیب پروفیسر زینت ساجد ریڈر جامعہ عثمانیہ کا مضمون بھی شریک ہے۔ یہ مضمون بھی میری کتاب کی اشاعت کے موقع پر لکھا گیا تھا۔ میں جناب خواجہ احمد عباس اور محترمہ زینت ساجد کا بھی ممنون ہوں کہ مضمون نے ”موج صبا“

پر اظہارِ خیال فرمایا۔ ہاشم شکر کی ہوگی اگر میں حکومت آندھرا پردیش کا شکریہ ادا نہ کروں جس کی مالی اعانت کی وجہ سے میں اس کتاب کے شائع کرنے کے موقف میں رہا۔ میں اپنے دوست جناب عبدالرحیم وفا کا بھی

ممنون ہوں کہ مضمون نے اس کتاب کا بھی پہلی کتاب ”موج صبا“ کی طرح دیدہ زیب سرورق تیار کیا۔ جناب عارف الدین خوشنویس نے بھی حسنِ کتابت سے کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ میں موصوف کے علاوہ ان

تمام رفقا کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔

فیض الرحمن خاں

نئی روشنی نئی آواز !

حیدر آباد کے ان شاعروں میں جو اوسط چار پانچ سال سے مشاعروں میں اپنا کلام سنارہے ہیں، فیض الحسن خیال پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ سننے والوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کی غزلوں کا حسن ان کی آواز کے سحر میں ہے کہ بحروں کے انتخاب میں آواز عطیہ قدرت ہے۔ سچ بول چھٹے تو ایسے ہی لوگوں کو ترنم سے پڑھنا چاہئے، بے سری آواز والوں کے لئے تحت اللفظ سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔ خیال نے جتنی بھی بحر میں منتہب کی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ایسی ہیں جو غزل کے صورت حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔

غزل عجیب و غریب صنف شاعری ہے۔ اس کا ہر شعر بجائے خود مکمل ہوتا ہے اس قدر مختصر صنف سخن کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ پھر مجاز سے لے کر حقیقت تک انسانی جذبات کے جتنے رنگ اور آہنگ ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اس میں بہ آسانی سمیٹے جاسکتے ہیں اور ہر شخص بہ قدرے ظرف ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔۔۔

شکل سے مشکل خیال ہو کہ آسان سے آسان بات ہر ایک کے لئے غزل کفایت کرتی ہے، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بات کچھ بھی نہ ہو تب بھی بات پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس صنف کو مقبولیت حاصل رہی۔ اردو اور اردو والوں کا مزاج... اس سے غیر معمولی طور پر ہم آہنگ ہے پھر شاعروں نے اس کی مقبولیت کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ جو لوگ غزل سے دامن چھڑانا چاہتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح سے وابستہ رہنے پر مجبور ہیں۔ یقین نہ آئے تو آپ نظم نگاروں کی اکثر کوششوں میں غزل کا روپ دیکھ سکتے ہیں غزل ایسے وقت میں بڑی کارآمد ہے۔ جب پردہ ہی پردہ میں بات کہنے اور کہہ گذرنے کی ضرورت ہو۔ اس کے ساتھ زیادہ، لب و رخسار کی بات بھی سناتے ہیں۔ اور مشاہدہ حق کی گفتگو بھی۔ یہ سب کچھ سہی مگر غزل گوئی ضبط و احتیاط کا تقاضہ کرتی ہے۔ بات اگر ذرا بھی آداب غزل سے ہٹ کر کہی جائے تو شاعر کی آبرو پر بن جاتی ہے۔ اس کی لوک پلک سنوارنے کے لئے صنایع اور چابک دستی کی ضرورت ہے ورنہ شعروں شاعری کا بھرم کھل جائے۔ خیال نے ٹھیک کہا ہے

”حسن غزل کی بات طبیعت کی بات ہے“

فیض الحسن خیال میدان غزل میں نہ وارد سہی مگر تازہ وارد نہیں۔ اس لئے اسے سنبھال کر چلتے ہیں۔ وہ آداب فن کی خاطر نہ فن کو قربان کرتے ہیں اور نہ حسن کی خاطر ظاہر سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ ان کے اشعار میں ظاہری حسن بھی اور مقصدیت بھی لیکن مقصد پسندی اور منظوم اشعار نویسی میں فرق کرنا انہیں آتا ہے۔ مومن مہیا مختصر سہی لیکن ان کی شخصیت اور شاعری کو متعارف کروانے کے لئے کافی ہے، اچھے شعر کی کسوٹی یہ ہے کہ وہ سننے میں بھی اچھا معلوم ہو اور پڑھنے میں بھی اچھا

معلوم ہو۔۔۔۔۔ یہ کہنا تو مبالغہ ہو گا کہ خیال کا ہر شعر اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے مگر بہت سے شعر ایسے نظر آتے ہیں جو کل بھی اور کل کے بعد بھی لطف دیں گے۔

دل مرا تو سیے لیکن یہ ذرا یاد ہے : لوگ کہتے ہیں کہ ہر دل میں خدا ہوتا ہے

بزمِ باراں میں نہیں ہم سا کوئی چاک جگر : یوں کئی چاک گریبان نظر آتے ہیں

نصہ دار و رس حفظ ہے دیوانوں کو : اس سے ہٹ کر کوئی پیغام سناؤ تو سہی

فیض الحسن خیال کی نظلیں بے یک نظر صرف وارداتِ غم کی تصویر معلوم ہوتی ہیں۔

لیکن غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ غمِ دل کے علاوہ غمِ دنیا اور غمِ ذات کے علاوہ،

غمِ کائنات بھی ہے۔ خیال نے اپنے دور کی جہدِ حیات کو اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ وہ

کارواں کے گم کردہ راہی کو بھی جانتے ہیں اور اس کے اسباب سے بھی باخبر ہیں۔ وہ

کارواں کی کوتاہیوں کا سارا الزام رہنماؤں کے سر ڈال کر مقصدیت سے گریز نہیں کرتے

بلکہ عینِ دلوں کی کم ہمتی کے شاکی بھی ہیں۔

مسافروں کا اگر حوصلہ جواں ہوتا : نہ جانے کونسی منزل پر کارواں ہوتا

لے نہ ڈوبے کہیں اوروں کا سہارا یارو : ناخداؤں کو سہاروں کا خیال آتا ہے

چھین لیں گے ہاتھ سے ساقی کے بڑھ کر جامِ خود : میکشوں میں گر ذرا بھی جرات زندانہ ہے

برقِ لہرائے خزاں چھائے کے تھلے برسیں : آشیاں اپنا بنالیں گے بنانے والے

ان اشعار سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ خیال باشعور شاعر ہے اگرچہ خیالِ شخص ہے

لیکن وہ صرف خوابوں میں گم ہو کر رہ جانے کے قائل نہیں حوصلہ و عزم سے منزلِ حیات

کی طرف بڑھنے کے قائل ہیں۔

انہیں کو اہل جہاں دار پر چڑھاتے ہیں : غمِ حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں

ش

کچھ اور تو سسے مضبوط ہو گئے دل کے ۔ جلا کے برقی نے خرمن شیب کام کیا
وہ حساس شاعر کی طرح کبھی کبھی آزدہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس آزدہ گئی میں
پست ہمتی کی علامتیں کم اور طنز کے نشتر کی کیفیت زیادہ ہے ۔

سب مطمئن ہیں تجھ سے مگر یہ نہ کس کا ۔ کس پر غتاب کس پہ ترا الفات ہے
تمہاری بزم کا دستور ہی نرالا ہے ۔ دل و نگاہ لٹا کر بھی ہم کو کچھ نہ ملا
ہم نے بھی نہ کی حسرت دیدار کی تو ہیں ۔ وہ صاحب جلوہ بھی سحر بام نہ آیا
ہم تو مٹ جائیں گے اے دوست ہمارا کیا ہے ۔ خود ہی پچھتائیں گے ایک روز مٹانے والے
انوکھا ہے دستورِ میخانہ ساقی ۔ کوئی پی کے بھکے کوئی پیاسا تر سے
عام طور پر نغزلِ دافلیت کے اظہار کا ذریعہ ہے مگر جب شاعر اپنی ذات سے
ہٹ کر سوچنا چاہے تو اس کے لئے بھی گنجائشِ نکل آتی ہے چنانچہ خیال نے اپنی
انسان دوستی کا اظہار کس خوبی سے ذیل کے دو شعروں میں کیا ہے ۔

گری بجلی جلے دو چار تنکے ! دھرا کیا تھا ہمارے آشتیاں میں
سوال اپنے نشیمن کا نہیں ہے ۔ لگی ہے آگ سارے گھستار میں
اکثر اوقات خوف و فساد خلق سے جو باتیں ناگفتہ رہ جاتی ہیں نغزل
اُن کو بہ آسانی گھنٹی بنا دیتی ہے ۔

زینت ساجدہ
ریڈر عثمانیہ یونیورسٹی،

حیدرآباد

مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء

موجِ صبا

مجھے ایک خوشگوار فریضہ سونپا گیا ہے کہ میں حیدرآباد کے جواں سال شاعر فیض الحسن خیال کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ کلام 'موجِ صبا' کی رسمِ اجرا انجام دے دوں۔ میں نے اس کتاب کا آج ہی مطالعہ کیا ہے۔ اور ابھی میں نے ان کا کلام سنا۔ فیض الحسن خیال نہ صرف خوبصورت غزل ہی کہتے ہیں بلکہ خوبصورت انداز میں سناتے بھی ہیں۔ میرے خیال میں خیال کا مجموعہ کلام پڑھنے کے بعد وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ادب میں خودطاری ہے کہہ نہ سکیں گے۔ اس طرح کے مجموعوں کی اجرا آج لوگوں کے لئے خود ایک جواب ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ادب میں خودطاری ہے۔

میں نے خیال کی غزلوں اور نظموں میں بڑا ہی حسن اور تاثیر پایا۔ غزل گوشتِ اور انظم نگار شاعر دونوں حیثیت سے ان کا مزاج ہم آہنگ ہے۔

جب کبھی رات کے مناٹے ہیں تیری یادوں کے کنول کھیتے ہیں
دل کا ہر گوشہ نکم جانا ہے زخمِ دل زخمِ جگر سستے ہیں!

ضی

فیض الحسن خیال کی غزلوں اور غزل نما نظموں میں فلسفیانہ رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔
ان کی تخلیقات میں سماجی اور سیاسی شعور کا فی نمایاں ہے خیال کا یہ شعر ہندوستان و پاکستان
کے موجودہ حالات کے تعلق سے کیا خوب ہے۔

جب سے احساسِ خودی اپنا ہوا ہے مجروح غیر کیا دوست کے احسان سے ڈر گتا ہے
اور وہ کہتے ہیں

انہی کو اہلِ جہاں دار پر چڑھاتے ہیں غمِ حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں
قصہ دارِ درسِ حفظ ہے دیوانوں کو اس سے ہٹ کر کوئی پیغام سناؤ تو سہی

ان کا یہ اشعار سب نئے دور کے نئے انسان کی آواز ہیں

ہم نے ہر دور میں رکھا ہے وفاؤں کا بھرم ہم سے مشکوک رہے پھر بھی زلمے والے
برقی لہرائے خزاں چھائے کہ شعلے برسیں آشیاں اپنا بنا لیں گے بنانے والے
خیال کی ایک نظم شعلہ حسن کا یہ حصہ ملاحظہ ہو، جس میں شاعر نے اپنے آپ کو
متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔

ایک شاعر بھی اسی شہر کا ایک شہری ہے

میری غزلوں کو پڑھو

گاؤ ترانے دل کے

شعلہ حسن پگھل جائے گا

میری غزلیں سن کر

موم کی طرح پگھل جائے گا رفتہ رفتہ

برق بن جائے گا گناہار لپکتا شعلہ

ط

میں فیض الحسن خیال کو اس حسین و خوبصورت مجموعہ کی اشاعت پر
اپنی اور اہل جلسہ کی جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں :

خواجہ احمد عباس

بتاریخ
۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء



ظہیر

شب کے ماتھے پہ نئی صبح کا سورج چمکا
قافیلے والو اٹھو، دیدہ روشن ہو جاؤ

صبح کا سورج

شب کے ماتھے پہ نئی صبح کا سورج چمکا
قافلے والو اٹھو دیدہ روشن دیکھو



رنگ لا کر ہی رہا خواب پریشان اپنا
غیر ممکن بھی ہے دیوانوں کے حق میں ممکن
اُن کا اسلوب نئی صبح کی تارتی بنا
لب شیریں رخ روشن سے خیالوں کی چمک
کروٹھیں لینے لگے دیکھو شبوں کے آقا
آگے گردشِ ایام کی دھوکے میں وہ !
صاحبِ عقل و ہنر عیب کے پردوں میں چھپے
اُن کو پردوں ہی میں رہنے دوسرے ہونے تک
اُن کے کاندھوں ہی پہ ماضی کا جنازہ ہو گا
اُن کے ماتھے ہی پہ ابھر میں گے ترود کے نشاں
تم ذرا اور ذرا اور ٹھہر جاؤ دوست !
سب کے ہاتھوں میں نئی صبح کا پرچم ہو گا

روشنی کا شہزادہ

غضب ہے روشنی کی چاہ میں یہ دیوانے
کرم کی آس کی دھونی راتے بیٹھے ہیں

وہ در، جو کھلتے نہیں ہیں کبھی کرم کے لئے
وہ ہاتھ اٹھتے نہیں جو کبھی درم کے لئے
وہ دل جو روئے نہیں ہیں کسی کے غم کے لئے
وہاں یہ آس کی محفل رچائے بیٹھے ہیں

جہاں ہوس کے خباثت کے دیپ چلتے ہیں
 جہاں مہاجنوں، سیٹھوں کی بات چلتی ہے
 جہاں پر رہن ہیں، شاعر کی ساری تخلیقات
 جہاں پر رہن معنی کا ساز و آواز
 جہاں پر رہن ہیں ہم سب کے روز شب یارو
 جہاں کا گوہر نایاب ہے خد ف یارو
 جہاں حیات، حوادث کا ہے ہدف یارو

۵

وہاں نہ جاؤ پلٹ آؤ میرے دیوانو
 تمہاری راہ، صداقت کی راہ ہے پیارو
 تھمو، ٹھہر کے چلو سب کو ساتھ لے کے چلو
 تو ہماست سے ٹکرائیں گے حقائق جب
 تمام نور کی کرغیں سمٹ ہی جائیں گی!

•

نظر کے سامنے ہے روشنی کا شہزادہ
 اُسی کو دیکھو یہاں تک کہ صبح ہو جائے

کچا دھاگا

اجلے بے حس چہروں پر بھی
لرزاں ہے احساس کی چلن
کیونکہ ہم نے ناپ لیا ہے
اُن کے ذہنوں کی قامت کو
مٹ گئے اُن کے نقش قدم اب
مستقبل کے جنگی ذہنوں کے ماروں کو
حال کی قدروں سے کیا مطلب
ان کے ذہنوں میں اب تک
ایٹم بم کے کالے ناگوں کے ہیں سائے
ان کے دل کی امنگیں
بجھتے بجھتے بجھ جائیں گی
تجربہ ، ان کا کچا دھاگا
توڑ نہ پائیں گے

ان کے ایٹم بم کے بھالے
وقت نے ان کو آگے بڑھ کر
درد کی دولت بخشی یارو

پیار کا آنسو بن جائے گا اُن کا حال اور مستقبل
موم سے نازک بن جائیں گے آج کے سارے پتھر دل

سایہ دار درخت

چڑھتے سورج کی راہوں میں
اندھیاریوں کے پاؤں کٹے ہیں
بھینتی کرنوں کے موسم میں
یکادکا
جگنو کے مینار کھڑے ہیں

بڑھتے قدم کو اب تو نہ روکو
ورنہ گلشن پوچھے گا فصل گل کیا ہوتی ہے
زخموں کے بازار سجاؤ پریش کے کچھ پھول کھلاؤ
گرم سفر ہے قافلہ، یارو
رکتے قدموں کی تھاپوں میں
تم نہ آؤ
بڑھتے جاؤ بڑھتے جاؤ سوکھے پتوں کے جنگل میں
ننگی پیڑوں پر چڑھ جاؤ
سایہ دار درخت بن جاؤ۔

پھولوں کی برسات

سج دھج کے جب صبح کا سورج
جیون امرت برساتے گا
بیار کا آنگن لہرائے گا
ٹھنڈے سینوں کی واوی میں
اجلے ساون کے دیوتا کو جنگل جنگل ٹھہرائے گا
وقت کے جھالوں کی نوکوں کو
اجلے ساون کی برساتیں
پگھلائیں گی شمعوں کی ماند
مدھر سروں میں گیت نرالے
کرشن کنھیا کی ہنسی کو
سننے سارا شہر اٹھے گا

لحظہ بہ لحظہ
ٹھنڈی ٹھنڈی

پھولوں کی برسات ہنسے گی
نیکسی ہی کام آئے گی۔ یارو!

تم بھی آخر کچھ تو بولو
وعدہ اک تم پیار کا کر لو
اس دھرتی کی پتھریلی وادی کو بھی تم
گلشن کہنا

کیونکہ صبح کا شہزادہ اس رہ سے گزرنے والا ہے
تقدیر بدلنے والی ہے
ماحول بدلنے والا ہے

عذابوں کا شہر

وجود اپنا زمانے کا اک کھلونا ہے

خیال اپنا ہو جیسے چراغِ راہ گزر

مزاج اپنا ہے سرچشمہ خرد لیکن

ابھی زمیں پہ ہیں ہم لوگ

قیدیوں کی طرح

اندھیری راتوں کا تازہ

کشیدہ زہر اجالوں کے نام پر پینا

لباسِ رہبری اوڑھے

کتابِ رہنمائی پڑھنا

اور اک ادھوری کہانی کا سلسلہ بنا

جو فیضِ یاب ہوا اس طفیلی نسخہ سے

اُسے عذابوں کا عفریت پھر بنا دینا

کسی ہری بھری کھیتی کا بھی پتہ دینا

مگر یہ ساتھ ہی سرگوشیوں میں کہنا بھی

کہ جا کے آگ لگا دے ہر اس علاقے میں

جو امن گاہ ہے آرام گاہِ انساں ہے

کہ سارا شہر عذابوں میں مبتلا ہو جائے۔

سپیرا

تنہائی کے دروازے پر وحشت پہرہ دیتی ہے
چاروں اور بھیانک خاموشی
شہر نہ ہو مقتل ہو جیسے
سینہ شب پر لہراتے ہیں درد کے کالے کالے ناگ
نور کا پرچم لہراؤ
صبح کا خنجر چمکاؤ
کوئی سپیرا ہم کو اپنے ناگوں سے ڈسواتا ہے
زہریلی بین بجاتا ہے
دیوانوں کے شہر میں یارو ایسا ہی دستور رہا ہے

شعلوں کا بازار

ٹھنڈی ٹھنڈی چاند کی کرنیں
شعلوں میں تبدیل ہوئی ہیں
ساون کا بھی ٹھنڈا موسم
شعلوں کا بازار بنا ہے

شبہنم شعلہ، برف بھی شعلہ
برفیلے شہروں میں یارو
کوچہ، کوچہ، قریہ، قریہ
شعلوں کا بیوپار ہوا ہے

دور کھڑا اک اجنبی چہرہ
برف کی چپا در اوڑھے ہے
حالانکہ یہ آگ کا تاجرا
برف کے میلے ڈھونڈ رہا ہے

سیٹھ مہاجن اس کے ایجنٹ
ملز کے مالک سارے بشکرس
اس کے ایجنٹ اس کے ایجنٹ

جن کے ذریعہ یہ گاڑوڑی
لے کر کالے ناگوں کی یہ پٹاری
رفتہ رفتہ کھول رہا ہے

دنیا والو جاگ اٹھو اب
بستی، بستی، نگری، نگری!
دیکھ رہے ہیں ہم بھی تم بھی

شبہنم کے بازاروں میں بھی
شعلوں کا بیوپار ہوا ہے

کوچہ جاناں کا طواف !
 آخر شب تھی ستاروں نے کہا
 جاگ ! اے صبح شعور
 لوگ ہر بات کا افسانہ بنا دیتے ہیں
 اچھے اچھوں کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
 پیارے

اس شہر میں سودے کے سوا کچھ بھی نہیں
 دل !
 بہت قیمتی شے ہے لیکن
 حسن و العول کے کھلونے کے سوا کچھ بھی نہیں
 اور اخلاص ؟

صرف جسموں کی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں



لوٹ جا اپنے ہی ویران سیہ خانے میں
 دیکھ ! خوابوں کے جزیرے سے کوئی آیا ہے
 اس کے گیسو کو سنوار
 تو بھی اک شاہ جہاں
 وہ بھی — ممتاز محل
 اپنے ویران کدہ دل کو سمجھ تاج محل

روشنی

بھول جاؤ گزشتہ کی ہر اک تلخی کو
ہاں کوئی تازہ ستم اب نہ اٹھے محفل میں
ایک مدت سے ستم دیدہ ہوں میخانہ میں
آزمائے گامرے ظرف کو کب تک ساقی



اور آگے نہ بڑھا دستِ ستم دستِ جفا
خوں رلائے گا تجھے میری دفاؤں کا چلن
ذہن مفلس ہے تو اخلاص کی دولت دیدے
ایسے بیمار کو جینے کی بشارت دیدے
ہو سکے تو اسے گلشن کی صدارت دیدے

آج کوچے میں ترے پھر کوئی دیوانہ صفت
 بھوک، افلاس کی جلتی ہوئی باتیں نہ کرے
 سب میں تقسیم ہو میرا رشتہ یہ میخانہ کی
 جتنے بیمار ہیں ساقی ترے دیوانے ہیں

تیرے کوچے میں برابر ہیں یہ سب دیوانے
 یہ امیری یہ غریبی کے دیئے محفل میں
 فرق کے ساتھ کسی وقت نہ جلتے پائیں
 روشنی سب کی ہے میخانہ پہ سب کا حق ہے

ایک ہی بزم میں اب جشن منانا ہو گا !
 ایک ہی ساز پہ اب گیت سنانا ہو گا !

اجالوں کے بدن

یہ اجالوں کے بدن رات کی تنہائی میں
یا کسی شیش محل میں
جل نہیں سکتے چراغوں کی طرح
کیونکہ ہم جاگ اٹھتے ہیں
ہم نے انگاروں پہ چل کر یہ قسم کھائی ہے
تپ کے سورج کی طرح
روشنی چھینکیں گے ہر بچھتے ہوئے ذرے پر
تاکہ ہو جائے ہر اک ذرہ منور
اور ہر ٹھٹھرا ہوا جسم
شعلہ بن جائے اندھیروں کے شبستانوں میں
دائرہ بن کے اجالوں کا جعب
نور پھیلائیں گے قریہ قریہ
کوہِ شرب ٹوٹ کے گھل جائے گا
اور بہہ جائے گا وہ صبح کی دریاؤں میں

نئی صورتیں

میں روشنی کے منہم سے سوال کرتا ہوں
کہ روشنی پہ بھی کیا ظلمتوں کا قبضہ ہے
کوئی بھی چہرہ چمکتا نظر نہیں آتا
شعورِ آدم نو کا فضول چرچہ ہے

چمک رہی ہیں نئی صورتیں چمن کی طرف
انہی کو دیکھو یہاں تک کہ فصلِ گل آئے
نہ اٹھنے پائیں گے ہنگامہ ہائے برق و شر
نظرِ نظر میں اگر شمعِ صبح جل جائے !

نفسِ نفس میں چراغاں کریں گے اہلِ قفس
نئی سحر کی حسینہ جو گیت گائے گی !
قدم سے اس کے ملے گا سراغِ فصلِ بہار
فسردہ پھولوں پہ تازہ بہار آئے گی !

روائیں نور کی اوڑھے پھریں گے اہلِ چین
ہر ایک ٹھٹھرا ہوا جسم ہو گا شعلہ بدن

نئے چراغ

تمہارے شہر میں جب انقلاب آئے گا
دوانے دار پہ پہلے چڑھائے جائیں گے
یہ اور بات ہے جشن چراغاں ہو گا مگر !
ہر ایک موڑ پہ بازار جگمگائیں گے
مگر خلوص کی فرصت یہاں کسے ہوگی
شکستہ جام کی مانند اہل میخانہ
خوشیوں کی رداؤں میں منہ چھپائیں گے

مگر جنوں کی نوازش کی آس باندھیں عورت
جسارتِ غم دوراں کی داد دیتے عورت
سمندروں میں جنوں کے وہ ڈوب جائیں گے
نکال لائیں گے انمول پیار کے موتی
فسادِ ذہن کے ماروں کو زہرِ غم دے کر
نئے چراغ، محبت کے پھر بجلائیں گے

وقت

کبھی ملنے نہیں دیں گے یہ زمانے والے
ہم کو پہنچنے نہیں دیں گے یہ رلانے والے

•

کتنے مجبور ہیں ہم دونوں قریب آ کر بھی
چہین آتا نہیں قربت کا سکوں پا کر بھی
ظلمتِ بخت پہ لہراتا ہے دانش کا فسوں
راس آیا ہے نہ آئے گا محبت میں سکوں
جانے کب تک ہمیں اس آگ میں جلنا ہوگا
شیعِ خاموش کی مانند پگھلنا ہوگا

•

وقت ہے دستِ کرم، دستِ وفاء دستِ حفا
وقت انسان ہے، شیطان بھی ہے اور غم کی چٹا
وقت میخانہ بھی، مقتل بھی ہے اور محفل بھی
وقت اپنا بھی ہے دشمن بھی ہے اور قاتل بھی

•

کس طرح وقت کی رفتار کے ہم ساتھ چلیں
کس طرح وقت کی آواز پہ لبیک کہیں

زہر خاموش

زہر خاموشی شبِ پینے لگے دیوانے
لبِ گویا لبِ خاموش ہوئے جاتے ہیں
خونِ پی سکتا نہیں نورِ سحر کا کوئی
جل اٹھے دیکھتے وہ جامِ شہادت کے چراغ
نورِ پھیلائے گا ہر سمت کسبیدوں کا لہو
جن کو قابو ہی نہیں نوکِ زباں پر اپنی
وقت کی آگ میں گھر جائیں گے جل جائیں گے
شمعِ آزادی انساں کی لوں کا نہیں گی
جن کے ذہنوں میں ہے انساں کے تقدس کا خیال

جن کے سینوں میں سلگتی ہوئی قندیلیں ہیں
اُن کو مل جائیں گے ہر گام پہ منزل کے نشان

چشم پوشی

گناہوں کا عفریت
اجالوں کا قاتل
شہوں کا محافظ
نئی صبح کی شوخ کرنوں سے ڈر کر
دھند لکھوں میں لپٹی ہوئی روشنی پی گیا ہے
پلاؤ نہ اُس کو کوئی زہرِ قاتل
نہ کوئی سزا دو
تعجب نہیں
جذبہ اعترافِ گناہ جاگ اٹھے
یہ عفریت ممکن ہے کل دیوتا بن جائے

تشنگی

سفید صبحوں کی روشنی میں
جو بڑھتے قدموں کی تاک میں ہیں
انہیں سزائیں دوزندگی کی
انہیں بھی آجائے مر کے جینا
انہیں تڑپنے دو ساحلوں پر
انہیں بھی احساس تشنگی ہو
جو آج موجیں اڑا رہے ہیں سفید صبحوں کا نام لے کر
انہیں خدا را
سمٹتے گل کی سزائے غم دو
انہیں اگلنے دو خون یارو
ہمارے خونِ جگر سے سینچی ہوئی بہاروں کو یہ لیٹے
ہزاروں صدیوں سے آج تک بھی
جلارہے ہیں سارے ہیں

خطوطِ صبح

نسیم صبح کا دامن جھجھوڑنے والے
 گلوں کا رشتہ بہاروں سے توڑنے والے
 خزاں سے پہلے گلستاں کو چھوڑنے والے
 چلے چمن سے تو جنگل میں کھو گئے یارو
 اندھیری رات کے دامن میں سو گئے یارو

اب اُن کے ہاتھوں میں گل کی بجائے کانٹے
 اب ان کی راہوں میں پھیلے ہوئے ہیں سناٹے
 تہی سب ہو ہو جو خود، دوستوں کو کیا بانٹے
 قدم قدم پہ اندھیرے ہیں اُن کی راہوں میں
 نہیں ہے آئینہ صبح اُن کے ہاتھوں میں

خطوطِ صبح پہ یہ لوگ جل نہیں سکتے
 چراغ بن کے اندھیروں میں جل نہیں سکتے
 سحر کا غازہ بھی چہروں پہ جل نہیں سکتے
 نظر، اسیرِ تماشہ ہے اُن کی گلشن میں
 بجائے پھول کے شعلے ہیں اُن کے دامن میں

شمیم کیسویے شب

وہی چین ہے، وہی اہل گل، وہی ہیں گلاب
مگر بہار کے دامن میں خون کی بو ہے !

یہ اور بات ہے گلشن کی سرحدوں سے پرے
فضائیں جاگ اٹھی ہیں ترے تجسس میں
جنوں خموش خیالوں کی چساندنی اوڑھے
ترے لبوں کے تصادم کی آس باندھے ہوئے
نفس نفس میں ہے شادابی تیری یادوں کی
نظر نظر میں چراغاں ہیں خوش تقاضوں کے
قدم قدم پہ چمن میں صبا سے مست قدم
لہک لہک کے مخاطب ہے زخمی پھولوں سے
سنور رہی ہے گلوں کی روشنی سے تعظیم

ترے قدم سے ہر اک ذرہ جگمگائے گا
ترے پسینے کی خوشبو سے جاگ اٹھے گی شمیم
شمیم کیسویے شب گوں جو پھیل جائے گی
مرے جنوں کی ضمانت میں باندھی جائے گی
خوشی کے چاند بھی نکلیں گے غم کی دھوپ کے بعد
غموں کی ناؤ سمندر میں ڈوب جائے گی !

شبوں کا زہر

شبوں کا زہر پئے جاتے ہیں اجالا نصیب
اب اُن کے ہونٹوں پہ گنجائش فغاں بھی نہیں
نہ اُن کے قدموں کی آواز گونجتی ہے کہیں
یہ زندہ لاشوں کی مانند چلتے پھرتے ہیں
نہ اُن کی بزم ہے بازار ہے نہ محفل ہے
نہ اُن کو باغ میں آنے کی بھی اجازت ہے

کہاں گلاب، یہ کانٹوں کو چھو نہیں سکتے
خوشی کہاں کی، یہ آہیں بھی بھر نہیں سکتے
سکوں تو خیر ہے اہل خرد کی قسمت میں
تڑپ کے آہ بھی کرتے ہوئے یہ ڈرتے ہیں
عجیب لوگ ہیں جیتے ہوئے بھی مرتے ہیں

فصل گُل کے چراغ

ہیں آج جن کی نگاہوں میں فصل گُل کے چراغ
گُل ان کے پاؤں میں زنجیر آپ دیکھیں گے

●

نہ اُن کے ہاتھوں میں پھولوں کی کوئی ڈالی ہے
نہ اُن کی آنکھوں میں آہوں کے آگینے ہیں
نہ کوئی راستہ سمجھتا ہے اُن کے قدموں سے
نہ کوئی نقش ابھرتا ہے اُن کی راہوں میں
کوئی کشش بھی نہیں ہوتی اُن کے گیتوں میں
کوئی سکون بھی نہیں ملتا اُن کے نغموں میں
خلوص اُن کا حقیقت میں ہے فریبِ خلوص
خیال اُن کا بہر رنگ ہے خیالِ خام!

نگاہ میں بھی نہیں اُن کی، شوقِ نظارہ
 نہ اُن کی فکر میں سنجیدگی کا جھرنا ہے
 نہ اُن کے پاس کوئی منزلوں کا نقشہ ہے
 نہ اُن کے پاس کوئی دلفگارِ نغمہ ہے
 یہ اور بات ہے نغمہ نگار ہیں لیکن
 کوئی بھی نغمہ سلیقہ سے گا نہیں سکتے

اسی لئے تو مسلسل میں کہہ رہا ہوں خیال
 ہیں آج جن کی نگاہوں میں فصلِ گل کے چراغ
 گل اُن کے پاؤں میں زرخیر آپ دیکھیں گے

..

آگ کا شہر

آپ جب بھی ملے آفات کے شہروں میں ملے
یا فسادات کے جلتے ہوئے بازاروں میں
قتل گاہوں میں کبھی دھوپ کے شہروں میں کبھی
جب بھی ہم دونوں ملے اجنبی راہوں میں ملے

ایک مدت سے تمنا ہے کہ تنہا ہی ہیں
بولتی جاگتی دیواروں کی تصویروں میں
پیار کا آس کا اغلاص کا میں رنگ بھروں
اپنے اشکوں سے انھیں دھوکے سجا کے رکھوں
اس طرح درد کا طوفان لئے آنکھوں میں
وادی خوابِ تمنا سے گزر جاتا ہوں

جی میں آتا ہے مرے آخر شب زنداں میں
 لکٹ کھٹاتا رہوں زنجیر شب تنہائی
 آج زنداں میں اُسی خواب کے افسانے کو
 ہم نفس کو میں سنانے کے لئے ہوں بے چین
 ہم نفس کو می نہیں جو مرا افسانہ سنے
 جانے کب مل کے یہ بیٹھیں گے سمجھی دیوانے
 یہ اسیر ان نفس بھی ہیں پڑے بے پرواہ
 دستِ تنہائی شب اور نہ ہو جائے دراز
 دامنِ صبح پہ تاریکی نہ چھا جائے کہیں

روشنی پیار کی شعلہ بھی ہے شبنم بھی مگر
 وقت کی تیز روی دیکھ کے چلتا ہوگا
 آگ کے شہر میں شعلوں کو بھی پینا ہوگا
 پیار کا شہر بسانے کے لئے دونوں کو
 عمر بھر دھوپ کے شہروں میں ہی جینا ہوگا

صبح کا علاقہ

اندھیرے ساتھ لے کر چل رہے ہیں
اجالوں کی زمیں پر
صدائیں ان کی لرزیدہ
قدم بھاری
نگاہیں چپ
زبانیں بند، لب خاموش
تنفس تیز
قبائے شرم ساری اوڑھ کر
نگاہیں نیچی کر کے
ادب سے کہہ رہے ہیں
علاقہ صبح کے سورج کا آسرخ کھوچکے ہیں

دیوانے

تکلفات کے پردے اٹھانے والے ہیں
جنہوں مزاج کرشمہ دکھانے والے ہیں
انہیں نہ دار و رسن کی مزائیں دو یا رو!
رخِ حیات پہ یہ جگمگانے والے ہیں

انہی سے گرم ہے بازار، بزم، میخانے
انہی کے غم سے ہیں رنگین غم کے افسانے
انہی کے نقشِ قدم سے بہار قائم ہے
انہی کے ہاتھ میں ہر دور کے ہیں پیمانے

انہی کے ہاتھ میں انسانیت کا پرچم ہے
انہی کو عظمتِ انساں کی فکرِ پیہم ہے
انہی کے ہاتھوں کو جتنا بھی ہو کر و مضبوط
انہی سے جتنا کرو پیار دوستو کم ہے

جنہوں کے سامنے جلوہ فریبی کیا شے ہے
نظر کے سامنے پردہ نشینی کیا شے ہے
فسونِ دردِ محبت جو جاگ جائے دوست
مسیحِ وقت کی چارہ گری بھی کیا شے ہے

شبِ تار

دشتِ تعبیر میں امید کی کلیاں پھکیں
آج ہنگامہ بیداری کے سماں کر لو
رات کی سرد خموشی میں بھی ہے گرمی شوق
اب سلگتے ہوئے ہر راز کو عریاں کر لو

کس کی آواز درو بام سے ٹکراتی ہے!
کس نے انگڑائی لی پھر سوئے گستاں یارو
کس کی آمد ہے بہاروں کی کرن پھوٹ پڑی
آج ہر مرحلہ شوق ہے آساں یارو

آج جلتی ہوئی راہوں میں خنک چھاؤں ہے
 آج ہر موڑ پر منزل کا گماں ہوتا ہے
 ساعتیں دیتی ہیں مستقبل رنگیں کا پیام
 آج حسنِ سحرِ زلیست عیاں ہوتا ہے

جو رقیبِ غم دوراں تھے کبھی محفل میں
 آج ماحول میں دلچسپیاں لے کر آئے
 ان کی بدلی ہوئی نظروں کو نہ دیکھو یارو
 یہ مٹا دیں گے شبِ غم کے ابھرتے سائے

بھول کر بھی نہ شبِ تار کا اب ذکر کرو
 سینہ شب سے وہ سورج کی کرن چھوٹ پڑی
 ظلمتِ شب کے نہ افسانے بناؤ یارو
 پیار کی شمع لیے دیر سے ہے صبح کھڑی

••

حلقہ اربابِ وفا

سوئی پلکوں کو تم اشکوں سے سجا کر دیکھو
دولتِ غم کو محبت میں لٹا کر دیکھو
روشنی پیار کی آجائے گی ویرانے میں
شمعِ دل، شمعِ محبت کے بھڑکتے شعلے
پھیل جائیں گے تو قدموں میں سویرا ہوگا

یہ اجالوں کے در و بام کے بے نام صنم
خود بخود ٹوٹ کے رہ جائیں گے بے نام نمود
توڑ ہی ڈالیں گے دیوانے یہ زنجیرِ قفس
شور اٹھے گا مساجد میں کلیں آؤں میں

ایک ہی موڑ پہ سب قافلے آجائیں گے
 اور من و تو کافسوں ٹوٹ کے رہ جائے گا
 لب ہستی پہ نئے گیت بھی لہرائیں گے
 اور نئی زیست کے ارمان نکل جائیں گے

اے نگاہِ غلط انداز گھڑی بھرتو ٹھہر
 دیکھ لے گردشِ دوراں کے بدلتے نقشے
 خواجگی ناز کرے گی نہ غلامی فریاد
 ایک ہی جام سے مئی ہوگی ہر اک کو تقسیم
 اپنی محفل میں نہ چھوٹا نہ بڑا ہوگا کوئی
 ایک ہی ساز پہ گائیں گے ترانے دل کے

سچائی کا آئینہ

ہوا کے دوش پر اڑنا
حصارِ وقت کو یارو
بلند انملاق سے توڑو
فضائے دشت کو بڑھ کر
تبسم کے شراروں سے جلا دینا
گماں کی گہری ندیوں پر
یقین کا پل بنا دینا
مکانِ آرزو میں پھر
بھڑکتے سوچ کے سورج کو چمکاؤ
لہو یا دلوں کا پی لو
کئی صدیوں سے دعوت دے رہا ہے
یہ بوڑھا چلچلاتا غم کا سورج
فقط سچائیوں کا آئینہ چمکاؤ دنیا میں

دستِ شفا

کچھ بھی ہو سرتِ تعمیرِ نشین ہونا
برقِ تعمیرِ نشین سے پشیاں ہونا
عہدِ ماضی کی ہر اک تلخی کو
دوستو حرفِ غلط کی مانند
صفحہ دل سے مٹانا ہوگا
دیکھ لو اپنی دفاؤں کی چمک جاگ اٹھی
خود پشیاں ہے جفا
اس طرف دیکھئے
پیار کا ہار لئے
آگے لطف و مروت کے صنم
نیا نغمہ نئے انداز سے وہ چھیریں گے
روشنی پیاس بجھا دے گی اندھیروں کی بھی
فرق مٹ جائے گا
شام اور صبح کے افسانوں کا
اور آگے جو بڑھیں گے
دوستو دستِ شفا
آج محفل میں جو بیمار نظر آتے ہیں
کل وہی لوگ مسیحا ہوں گے

پیار کا رنگ

شہر در شہر
سرنگوں ہو گیا تہذیب کا اونچا پرچم
زرد ہونٹوں پہ بھی ہے مہرِ خموشی یارو
جس طرف دیکھو ادھر محرومی
شب کی باہوں کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی زیست کے دروازے پر
ایک مدت سے بھکارن کی طرح
ہاتھ پھیلاتے کھڑی ہے سوکھڑی
مرٹ کے دیکھنا کسی نے اس کو

جاگ اٹھیں جو ترے دیوانے
 توڑ ہی ڈالیں گے
 شب کی زنجیروں کو

ضرب کاری ہی سہی
 زخم گہرا ہی سہی خنجر شب کا لیکن
 ایک ہی صبح مسرت کی کرن
 توڑ ڈالے گی فسوں شب کو
 ہر طرف نور کی باتیں ہوں گی
 پیار کا رنگ جمانے کے لئے
 ایک ہی صف میں چلے آئیں گے دیوانے ترے
 چلنے لگ جائیں گے خاموش یہ میخانے ترے

اعتبارِ کرم

نئی بہار کے دامن میں بجلیاں بھی نہیں
جنوں کے پاؤں میں کیوں اب کے بیڑیاں بھی نہیں
جنوں تو پھر بھی الجھتا ہے خارزاروں سے
خرد کے ہاتھوں میں پھولوں کی پتیاں بھی نہیں



زمانہ ساز، زمانے کے ساتھ چلتے ہیں
بدلنے والے زمانے کا رخ بدلتے ہیں
جنسوں نے خون دیا ہے بہارِ گلشن کو
چمن میں آج وہی لوگ ہاتھ ملتے ہیں

نہ قافلہ نہ کوئی رہنمائے دانا ہے
 جو سامنے ہے وہ منزل، فریب خانہ ہے
 نہ پوچھو عظمتِ انسانیت کا افسانہ
 تمہارے شہر کی تہذیب کا نشانہ ہے

نئی سحر کی حسینہ کے جب کرم ہوں گے
 جو خوش نصیب ہیں وہ مبتلائے غم ہوں گے
 شعورِ سوزِ نہاں کو وہ لوگ ترسیں گے
 جب اعتبارِ کرم کے عیاں ستم ہوں گے

چمن پرست تو گلشن میں ہو گئے ہیں ضم
 خزاں نصیب بہاروں کے ساتھ ساتھ ہیں ہم

••

فریاد

شعلہ درود کا جب رنگ بگھل جائے گا
تیرے انداز کا خود رنگ بدل جائے گا

میں بیاباں میں بھی گلشن کی خبر رکھتا ہوں
جب قفس میں تری پرچھائیں ابھرتی ہیں کبھی
خوں رلا دیتا ہے مجھ کو تری آہٹ کا خیال
حسن معصوم تری ایک نظر کافی ہے
تو نے دیکھا نہیں حالات کا آئینہ ابھی
بُنجھ کو ہو گا کہاں حالات کا اندازہ ابھی
میں نے انجام کی صورت میں کیلے آغاز
میری فریاد تو غموں میں بھپی رہتی ہے

یہ الگ بات ہے خاموش پسندی میری
 اہل دانش کے بھی آنکھوں میں نہیں سکتی ہے
 ویسے میں خوش کہاں آباد کہاں رہتا ہوں
 میری بربادی، تبسم میں چھپی رہتی ہے
 روپڑوں گر تو میں افلاک میں پڑ جائے شکاف
 ایک آنسو بھی ہو گر جائے زمیں پھٹ جائے
 کونسا حادثہ آخر نہیں گذرا مجھ پر !
 کونسا مرحلہ عامل نہ ہوا راہوں میں
 یوں تو ارماں کا جنازہ ہے مری فکرِ رسا
 صرف زندہ ہوں میں بس میرے لئے زندہ ہوں

حصارِ شہر

نستیم صبح بہاراں جو پھیل جائیگی
دیوارِ ظلمتِ شب توڑ دیں گے دیوانے
فصلِ صبح پہ یادوں کی مشعلیں ہوں گی
حصارِ شہر کے دروازے کھول دے گاجنوں

ترے خیال کے نغمے سنائے جائیں گے
ترے جمال کے قصے سنائے جائیں گے
گلوں سے ہوگا تعارف کبھی تو کانٹوں سے

روشِ روش ترے قدموں سے جاگ اٹھے گی
گلِ دشنجر ترے قدموں کی بھیک مانگیں گے
نگاہِ برقی دشنر کے بھی ناز اٹھائیں گے
ہزار بار نشین بنائے جائیں گے

تبسموں کے نگر میں بھی ہوگی غم کی چتا
بغیر غم کے کوئی شمع جل نہیں سکتی
بغیر غم کے کوئی بزم چل نہیں سکتی

دوری

پھولوں کا پھر موسم آیا
تم بھی آؤ
ڈالی ڈالی خوشبو پھیلے
پتہ پتہ امرت کھولے
موسم گیلہ تم لرزیدہ
کب تک تم خاموش رہو گے
دوری کی بھی حد ہوتی ہے
پاس تو آؤ گھل مل جاؤ
مڑ مڑ کر اب یوں نہ دیکھو
پچھے اک طوفان کھڑا ہے
آگے بڑھ کر مدھر سروں میں
کوئی ایسا گیت الاپو
ساری دنیا پچھے آئے
جنگل جنگل پھر اک بستی بستی بستی بس جائے گی

گلوں کے قافلے

نشیموں میں کوئی مشعلیں جلاتا ہے
بہار آنے سے پہلے چمن سجاتا ہے
چمن سے دور تبسم کی چاندنی اوڑھے
گلوں کے قافلے اس آس میں نہیں ٹھہرے ہو
کہ جشنِ فصلِ بہاراں میں سب کے سب ہوں گے
امیر و مفلس و نادار اور غریب و وطن!
کوئی بھی فرق نہ ہو گا جدید محفل میں
خیال ایک، نظر ایک، ایک دل ہوں گے
کوئی غزل ہو کوئی گیت ہو کہ نغمہ ہو
تمام ایک ہی انداز کی دھنیں ہوں گی



بٹے ہوئے ہیں جو حلقوں میں بادِ خوارِ بہاں
تمام ایک ہی ساغر کے گرد گھومیں گے
یہ آس آج نہیں کھل تو رنگ لائے گی
بہار آئے گی کانٹوں پہ چل کے آئے گی

نورِ مجسم

کچھ بھی ہو جادۂ ویراں کو سبجانا ہوگا
اب شہیدوں کا لہو کام میں لانا ہوگا
پھیلے سایۂ امکاں کا سہارا لے کر
چہرہ شب پہ کوئی داغ لگانا ہوگا

دیکھئے سورج کے دریا میں تلاطم اٹھا
سینکڑوں پیاسی تمناؤں کا طوفاں جاگا
ٹوٹ جائے گا شبِ تار کا نقلی ایوان
سامنے آئے گا وہ نورِ مجسم اپنا

سایہ در سایہ نظر آئے کچھ ایسے چہرے
اجنبی تھے کہیں اپنے تھے کہیں بیگانے
عقل و دانش کا بھرم کھل گیا رفتہ رفتہ
صبحِ نزدیک ہے کوئی نہ مقابل ٹھہرا

حرفِ وفا

بات ساقی ترے پیانے کی ہر رات عیسیٰ
سر بلا، بارِ حیا سے ہوئیں پلکیں بوجھل
پر لبِ ناز کو جنبش نہ ہوئی
نہ کوئی جام نہ پیغام ملا

امتحانِ گاہِ محبت ہے کہ میخانہ ہے
اپنے مے خوار کو جی بھر کے پریشان کیا
اور مشکوک نگاہوں سے مجھے دیکھا کیا
لوگ آتے بھی رہے
لوگ جاتے بھی رہے

یوں تری بزم
ہر اک دور میں چلتی ہی رہی

جشن ہوتا ہی رہا
 قہقہے اٹھتے رہے
 بزم میں دیوانوں کے
 اصلیت چھپ نہ سکی
 تیرے دیوانوں کے انداز کوئی پانہ سکا
 ہائے کس جرم کی پاداش میں دیوانے ترسے
 تا ابد دنیا میں تنہا ہی رہے
 اپنے ہونٹوں پہ فقط نامِ وفا لے کے رہے
 تادمِ فریست چلے قافلہٴ غم لے کر
 راہ میں کوئی مسافر بھی شناسا نہ ملا
 جس نے دیکھا انھیں دیوانہ کہا

یہ تو اک رسم ہے اس دنیا کی
 جو کوئی حرفِ وفا گھول کے پی جاتا ہے
 اُس کو سولی پہ چڑھا دیتے ہیں
 اور ممکن ہو تو اک حرفِ غلط کی مانند
 اُس کو ہر صفحہٴ ہستی سے مٹا دیتے ہیں

فاصلے

ضبط کی گود میں آہوں کی طرح پلتا ہوں
اور سر بزمِ عشق کی طرح جلتا ہوں



دستِ نازک سے کوئی جام پلا سکتے ہو
نہ نقابِ رخِ گلستاں اٹھا سکتے ہو
اور نہ ہونٹوں کو سر بزمِ ہلا سکتے ہو
صرف یادوں کے دریچے میں کھڑے رہتے ہو
لعل و گوہر کی طرح دل میں جڑے رہتے ہو



چاہنے والوں کو دیوانہ بنا دیتے ہو
اور بھری بزم سے بے وجہ اٹھا دیتے ہو
فاصلے اور محبت کے بڑھا دیتے ہو
دار پر بھی نہ تو، تم دادِ وفا دے سکتے
اور نہ محفل میں بھی تم نام مرا لے سکتے

زخم پر زخم محبت کے لگاتے کیوں ہو
 پیار کی بات کا افسانہ بناتے کیوں ہو
 دل میں طوفان، محبت کا اٹھاتے کیوں ہو
 جب کہ بیمار کو تم کوئی دوا دیتے ہو
 نہ تو گیسوئے معطر کی ہوا دیتے ہو

یہ گذرگاہِ محبت ہے صلہ کچھ بھی نہیں
 صرف یادوں کے سوا ہم کو ملا کچھ بھی نہیں
 بات ہے بزم کی ساقی سے گلا کچھ بھی نہیں
 جتنے مے خوار ہیں، مئی پی کے جیا کرتے ہیں
 اور دیوانے فقط زہرِ پیا کرتے ہیں

میرا حبیب

دلِ ویراں کو مرے رشکِ گلستاں کر دو
سو پہ سو پیار کے اوراقِ پریشاں کر دو
سرخِ بد رخِ حدِ نظر تک ہیں بہاریں رقصاں
کم سے کم آج تو تم درد کا درماں کر دو

مرحطے راہ کے آسان نظر آتے ہیں
قافے پیار کے لیے خوفِ خطر آتے ہیں
عقلِ تجویز نہ فرمائے گی اب کوئی سسزا
چارہ گر آج جو بیمار کے گھر آتے ہیں

وقت آتا ہے نظر، تلخی دوراں کا رقیب
 قافلے صبح کے کیا آگے منزل کے قریب
 نامرادی کا فسوں ٹوٹ گیا ہے شامد
 ہے سرِ بام کھڑا میرا پری زاد حبیب

سانس لیتا ہوں تو غورِ شبوئے وفا آتی ہے
 کس کی آمد ہے بہار آنے کو شرماتی ہے
 جگمگاتا ہے کوئی فکر کے ایوانوں میں
 در سے در سے پہ محبت کی فضا چھاتی ہے

سیم تن، غلہ بکف، رشکِ چمن آہی گیا
 میرا محبوب مرا شعلہِ بدن آہی گیا
 عقل، اوسان سے محروم ہوئی جاتی ہے
 نامرادی میں امیدوں کا چلن آہی گیا

نئی بہار

نئی بہار کا دامن سلگ اٹھا یارو
 سویرا کروٹیں لے لے کے سو گیا یارو
 گلوں کی آگ سے گلزار جل گیا یارو
 چمن میں پھر کوئی راونِ نفس تو آیا نہیں
 دیارِ لالہ و گل کیوں اجرٹ گیا یارو

کبھی نہ جاگے گی شاید تمہارے دل کی لگن
 نہ رنگ لائے گی کب تک تمہارے دل کی جلن
 ہمارے بعد تمہیں کھانا نہ جائے اپنی گھٹن
 غضب ہے دیش کے بچوں پہ وار کرتے ہو
 تم اپنے بھائی کو ہی سو گوارہ کرتے ہو

جو ہاتھ دشمنِ ارضِ وطن پہ اٹھتے تھے
 جو ہاتھ دشمنِ جانِ چین پہ اٹھتے تھے
 جو ہاتھ سایہٴ دشمن کے تن پہ اٹھتے تھے
 وہ ہاتھ اپنی ہی گردن پہ چل گئے یارو
 خوشی کے پھول کھلے تھے کہ جل گئے یارو

کبھی زبان کا جھگڑا کبھی تو مذہب کا
 کبھی تو اپنے ہی گھر میں مچا ہے ہنگامہ
 کبھی تو اپنی ہی عزت کا ہو گیا سودا
 یہ بھیم و ارجن و پیو کے دیش کے بچے
 خود اپنے پاؤں کی زنجیر میں الجھتے ہیں

بہارِ بھول کے اس شہر میں نہ آئے گی
 خزاں کی رت ہی گلستاں پہ آج چھائے گی
 فسادِ ذہن کے ماروں کو آزمائے گی
 روشِ نہ بد لے زمانہ تو مات کھائے گا
 ضرور وقت اسے وقت پر رلائے گا

حُسنِ گریزاں

تم مری کوئی غزل گاو غزل ساز بنو
میری آواز میں آواز ملا کر دیکھو
بات نکلی تو مری جان ! تکلف نہ کرو
ہو سکے تو مرے کچھ شعر ترنم سے پڑھو
شرم غالب ہو تو آنکھوں کی زباں ہو جانا
کوئی عالم ہو مرے پیار کی خوشبو دیدو

آج دو گام لہک کر مرے ہمراہ چلو
آج سب کہنہ روایات کے بندھن توڑو
شوخی ہے چشمِ زمانہ ذرا محظوظ ہو
محفلِ شوق میں آؤ تو سنبھل کر آؤ
تم حلیں ہو تو مرے حُسنِ سخن کو سمجھو
بات اپنی ہے پر ای نہ بنا کر دیکھو

تم تو ہنستے ہوئے پھولوں کو راہ دیتی ہو
 ڈالی ڈالی پہ نسا زخم لگا دیتی ہو
 موجہ گل میں بھی آگ لگا دیتی ہو
 پھول کے جسم کو گلستا رہنا دیتی ہو
 کس طرح باغ کی رونق کا میں نقشہ ہینچوں
 میرے افکار میں بھی آگ لگا دیتی ہو

میرے افکار کے شیشے میں چھپی رہتی ہو
 آنکھ سے دہر کی اس طرح چھپی رہتی ہو
 ذہن پاکیزہ فنکار بنی رہتی ہو
 رخِ مہتاب کی کرنوں سے سجی رہتی ہو
 یہ الگ بات ہے فطرت میں تغافل لیکن
 یاد کرتا ہوں تو پلکوں پہ کھڑی رہتی ہو

انتشار خیال

میرے اشعار کی تفسیر بنی رہتی ہو
میرے ایوانِ تخیل میں سچی رہتی ہو
میرے بے چین خیالوں میں بسی رہتی ہو
اس سے پہلے کہ تمہیں ڈھونڈنے جاتا میں کہیں
تم تخیل کے دریچے میں کھڑی رہتی ہو



کس طرح رنج و غم و یاس کا دامن چھوڑو
کس طرح ٹوٹی ہوئی آس کا دامن چھوڑو
کس طرح سوزِ شناس کا دامن چھوڑو
کس طرح ریشمی آنچل سے کنارہ کرو
کس طرح بڑھتی ہوئی پیاس کا دامن چھوڑو

جب کبھی عارضِ گلنار چمک جاتے ہیں
 دیپ ایوانِ محبت کے بھرپور جاتے ہیں
 شعر کہتا ہوں تو الفاظ بھٹک جاتے ہیں
 کس طرح سوئے غزل جائے گا ایسے میں خیال
 ایسے عالم میں تو فنکار بہک جاتے ہیں

نام لیتا ہوں تو ہونٹوں کو جلا دیتی ہو
 شعر کہتا ہوں تو افسانہ بنا دیتی ہو
 ایک فنکار کو تم کیسی سزا دیتی ہو
 میرے تختیئل کے گمنام سیہ خانے میں
 شعلہٴ حسن سے تم آگ لگا دیتی ہو

اجنبی

کیا تمہیں یاد نہیں ہے کوئی انجان ڈگر
کیا تمہیں یاد نہیں ہے کوئی سناں ڈگر

جس جگہ خوف، ہراسانی، پریشانی تھی
زندگی اجنبی ماحول سے گھبراتی تھی
زندگی اپنے ہی ساتے سے بھی ڈر جاتی تھی

سرسری ایک ملاقات نے ہم دونوں کو
پاس آنے کا سمجھنے کا دیا تھا موقع !
ہائے ہم دونوں بھٹکتے ہوئے منزل کیلئے
مختلف راہوں پہ چلتے رہے حیراں حیراں
ہم سفر میں نہ سکے فاصلے حائل ہی رہے
یہ الگ بات کہ یہ پہلی ملاقات سہی
یوں لگا پھر بھی کہ مدت سے شناسائی ہے
وہ پریشان سا ماحول بھی تھا کتنا حسین
جب بھی ملتی رہیں دونوں کی پریشاں نظریں

جانے کیوں قہقہے اٹھتے تھے بیابانوں میں
 دفعتاً ایسے میں ہم دونوں بھی ہنس پڑتے تھے
 ایک لمحے کے لئے دونوں لپٹ جاتے تھے
 ایک ہی جسم کی مانند نظر آتے تھے

رات کے بولتے سناٹے میں ہم دونوں کے
 دل سلگتے تھے کبھی جسم جلا کرتے تھے
 عمر بھر پیار نبھانے کی دعا کرتے تھے

وقت رکتا تھا جہاں دونوں ٹھہر جاتے تھے
 غالباً وقت کو کچھ ہم پہ ترس آتا تھا
 ورنہ حالات کے بکھرے ہوئے افسانوں میں
 وقت رکتا نہیں ٹھہرے ہوئے لوگوں کے لئے
 اور جب رات کے دیوتا کافسوں ٹوٹ گیا
 چھٹ گئے دھند کے طوفان کے کالے سائے
 دیکھتے دیکھتے دی صبح نے آکر دستک
 گیت چھیڑا تھا ہواؤں نے محبت کا مگر
 جانے کس ساز کی آواز کی لئے پر ہم نے
 کھو دیئے قربِ مسلسل کے وہ سارے لمحے
 اجنبی بن گئے منزل کے قریب آتے ہی

ہمراز

دوستو پیار کے آنچل کو اڑا لوں تو چلوں
حُسنِ عجوب کو آنکھوں میں بٹھا لوں تو چلوں



درِ جاناں پہ ابھی آیا ہوں سستانے دو
گرمیِ حسن سے دل کو ذرا تر پانے دو
سافولی شام کی وادی میں اتر جانے دو
بُتِ کافر کو مسلمان بنا لوں تو چلوں
اس طرح شوق کا سامان بنا لوں تو چلوں



رخ بہ رخ رنگ بہارِ ابدی چھایا ہے
سُوبہ سُو گیسوئے شبِ گول کا جہاں سا ہے
شوقِ نظارہ کہاں کھینچ کے اب لایا ہے
آسمانوں سے جہاں چاند اتر آیا ہے
رنگِ محفل کو ذرا اور جمالوں تو چلوں
شعلہٴ حُسن کو آنکھوں میں بٹھالوں تو چلوں

گرمی حسن سے ہر ذرہ جلا دے ساقی
 پیار کی بات نگاہوں سے سنا دے ساقی
 جام پہ جام محبت کے پلا دے ساقی
 آج میخانہ کا میخانہ لٹا دے ساقی
 آگ ہر دل میں محبت کی لگا لوں تو چلوں
 پیار کا ساز نگاہوں سے بجالوں تو چلوں

وادی شوق کی دنیا ہے نرالی یارو
 ذرہ ذرہ ہے محبت کی نشانی یارو
 چمپی راہ ہے رہبر بھی گلابی یارو
 شعلے بر ساقی ہے گلشن کی جوانی یارو
 دل میں سوتے ہوئے ارمان جگالوں تو چلوں
 اک گل تر کو میں ہمراز بنالوں تو چلوں

وہم

تم مرے پاس ہو یا کوئی ہوا کا جھونکا
 لبِ خاموش ہیں یا پھول کا کھلتا چہرہ
 یہ دہکتے ہوئے عارض پہ لپکتی زلفیں
 پھر مرا پیار نہ بن جائے کہیں افسانہ



پھر مرا ہوش اڑا دے نہ تقریب کا یقین
 غم کے ماحول میں ڈھل جائیں نہ حالت کہیں
 میرے محبوب تنہا طب سے نہ ہو رسوائی
 دامنِ شوق میں الجھیں نہ کہیں دستِ جبین

پھول سے ہاتھوں کو شعلوں سے بچائے رکھنا
 ان حسیں آنکھوں کو اشکوں سے بچائے رکھنا
 دستِ نازک کو نہ تم سوئے گریباں لانا
 لبِ گلرنگ کو آہوں سے بچائے رکھنا

لوگ حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں
 تلخی و ہم و گماں اور بڑھا دیتے ہیں
 تم قدم زن نہ ہو اس راہِ نیستِ دوری بہتر
 لوگ شاعر کو بھی دیوانہ دیتے ہیں

••

آئینِ میکرہ

اے کاش تیرے پیکرِ سیمیں کی روشنی
ذہنوں کی تیسرگی کو بنا دیتی چاندنی
سو اضطرابِ حشرِ بپا ہوں گے جہاں
اخلاق کے حدود نہ توڑے گا کوئی بھی

سو راج ہے سر پہ ہاتھیں بجھتے ہوئے چراغ
روشن ہے دل، نظر میں اندھیروں کہیں ایسا
بس جائیں کس طرح سے اجالوں کی بستیاں
کانٹوں سے بھی الجھتے ہیں سلجھے ہوئے دماغ

پے لاگ دوستی بھی ہے اے دوست دشمنی
دشمن پسند ہوتی ہے ناداں کی دوستی
کچھ فاصلے بھی کرتے ہیں ہموار راستے
ہوتی ہے سنگ میلِ عجت کی زندگی

کیوں میکرہوں میں شہر کے ہنگامہ بیجا
دیوانہ کوئی تیرے مقابل نہیں ہے کیا
تبدیل ہو گیا نہ ہو آئینِ میکرہ
شمشے تو نہیں سمجھے ہوئے تیشہ نہیں رہا

غزلیں

کایخ کے شہر میں تپتے پڑنے اٹھاویارو
میکدہ ہے اسے مشتعل نہ بناویارو



کا پنخ کے شہر میں پتھر نہ اٹھاؤ یارو
 صحنِ مقتل میں بھی مینخانہ سجاؤ یارو
 زندگی بکنے چلی آئی ہے بازاروں میں
 جن کی شہِ رگ کا لہو پھول کی انگڑائی تھا
 پھیلے سایہِ شب میں زچلو زک زک کے
 بزمِ یاراں میں وہ کچھ سوچ گئے آیا ہو گا
 رات ڈھل جائیگی مینخانہ سنبھل جائیگا
 زندگی رینگتی پھرتی ہے یہاں کا سبکف

میکدہ ہے اسے مقتل نہ بناؤ یارو
 شب کے سناٹے میں ہنگامہ مچاؤ یارو
 اس جنازے کے بھی کچھ دام لگاؤ یارو
 اُن کو اب حالِ گلستاں نہ سناؤ یارو
 بجھتی راہوں کو کفِ پا سے سجاؤ یارو
 ایسے دیوانے کو ٹھکر نہ لگاؤ یارو
 کوئی نعمہ کوئی پیغام سناؤ یارو
 اس کو اب وقت کا آئینہ دکھاؤ یارو

اب دھند لکوں میں بھی ہے تازہ اجالوں کا خیال
 شب کی دیوار سلیقے سے گراؤ یارو



زخم بھی مائل گرفتار ہوئے ہیں شاید
 کل جو سورج کی کرن گھول کے پی جاتے تھے
 لوگ دیوانے کو بازار میں لے آئے ہیں
 جو ٹھہر جاتے تھے آواز پہ میسری یارو
 راستہ سرخ ہوئے جاتے ہیں میخانے کے
 کارخانوں میں بھی ہنگامہ وحشت نہ رہا
 زندگی پھر سے نظر آتی ہے مائل بہ کرم
 لوگ حالات سے بیزار ہوئے ہیں شاید
 آج شبنم کے طلب گار ہوئے ہیں شاید
 زخم پھر اس کے نمودار ہوئے ہیں شاید
 وہ بھی اب وقت کی رفتار ہوئے ہیں شاید
 تیرے دیوانے گرفتار ہوئے ہیں شاید
 کام کے لوگ بھی بیکار ہوئے ہیں شاید
 پھر مرے قتل کے آثار ہوئے ہیں شاید

کل جو زنجیر قفس توڑ کے نکلے تھے خیال
 آج وہ پھر بس دیوار ہوئے ہیں شاید



زمانہ پھر نئی لغزش کے ساتھ ابھرا ہے
 شبوں کے سائے میں خنجر بکف جو پھرتا تھا
 تمام شہر کی گلیوں کو کیجئے روشن
 شراب خانے لٹاتا تھا کل جو محفل میں
 تم اپنے شہر کی دیواریں اور اونچی کرو
 وہ جس کے ہاتھوں میں ہمدیوں کے تھکے تھے
 قدم قدم پہ اندھیرا، نظر نظر تنہا!
 کیواڑ کھولنے ذہنوں کے صبح جاگ اٹھی
 پہنچ گیا ہوں نہ جانے میں کس دور لہے پر

نہ جانے کونسی یہ چال چلنے والا ہے
 وہ آج نور کا شہزادہ بن کے آیا ہے
 ابھی ابھی کوئی قاتل ادھر سے گذرا ہے
 وہ آج زہر کے دو گھونٹ کو ترستا ہے
 کسی نے پھر در زنداں کو توڑ ڈالا ہے
 اُسی نے شہر کی ہر اک گلی کو ٹوٹا ہے
 یہ شہر، شہر نہیں کوئی قید خانہ ہے
 ہر ایک موڑ پہ بکھرا ہوا اجالا ہے
 یہاں تو دوست بھی دشمن کی طرح ٹھہرا ہے

بہت دنوں سے بھی غور کر رہے ہیں خیال
 بہار میں بھی نمایاں خزاں کا حصہ ہے



تمہیں مقامِ طلوعِ سحر نہیں معلوم
ہمیں تو سحرِ رخسارِ لب سے نسبت ہے
جو میرے سائے سے بھی تیز تیز چلتا تھا
ابالے دفن نہیں ہوں گے شب کی مٹی میں
بہار آئی تھی کچھ لوگ مسکرائے تھے
ہے جن مکانوں پہ پوشاکِ سنگِ سایہ لگی
صدائے دیبچے اونچی عمارتوں پہ کبھی

شبوں کا آئینہ خانہ اگر نہیں معلوم
کہاں سجا ہے وہ سورج کا گھر نہیں معلوم
سفر میں کون تھا وہ ہمسفر نہیں معلوم
دھماکا صبح کا ہو گا کدھر نہیں معلوم
جلے ہیں کیسے مرے بال و پر نہیں معلوم
بنیں گے کب وہ اجالوں کے گھر نہیں معلوم
یہ کس کو راسِ ہوتے بام و پر نہیں معلوم

چلو خیال کے ہمراہ ریگزاروں پر
سفر کا شوق ہے منزل اگر نہیں معلوم



کیوں دھند لکوں سے لپٹا ہے پریشانی میں
 گھل گئی یاد کی خوشبو مری تنہائی میں
 اب مشینوں کی طرح کام کریں گے ہم لوگ
 پاک ذہنوں میں نہ بارود بھرو نفرت کی
 آپ سورج کی طرح آگ آگھتے رہیے
 قتل گاہوں سے ذرا دور (دھر بھی دیکھو
 کوئی الزام نہیں ترکِ مراسم کا اگر

کیا اجالا نہیں پھیلا ہے تری بستی میں
 زخمِ دل اور ہنسے غم کی نگہبانی میں
 نورِ رسانے لگی زندگی ہر بستی میں
 آگ لگ جائیگی پھولوں کی حسین وادی میں
 تیرگی چھانے لگی صبح کی اس وادی میں
 رات بھی ڈوب گئی صبح کی انگنائی میں
 کیوں اضافہ ہوا پھر تیری پشیمانی میں

دھوپ کا شہر ہو یا آگ کا دریا ہو خیال
 کوئی وقفہ نہ رہا اپنی غزل خوانی میں!

لمحوں کے پچھلے ہوئے شیشہ پہ کھڑا ہے
 جب نقشِ کفِ پا کا ترے ذکر ہوا ہے
 وہ شخص جو تنہائی کے صحرائیں کھڑا ہے
 پیغامِ بہاروں کا نہ لائے گی صبا بھی
 دیوانہ ترا برف کی مانند پگھل کر!
 ہم پھر بھی تری شبیہ باتوں میں نہ آئے
 فنونِ میں روایات کی کھیتی نہ اگاؤ
 سمجھو گے کہاں تم سرے اندازِ غزل کو

دیوانہ ترا شہر کا غم لوٹ رہا ہے
 راہوں کے اندھیروں نے مجھے گمیر لیا ہے
 سب حال چین اُس کے ہی چہرے لکھا ہے
 رشتہ ترا گلشن سے اگر ٹوٹ گیا ہے
 حالات کے ہر موڑ پہ خاموش رہا ہے
 دھوکا کبھی بھولے سے تو دل نے بھی دیا ہے
 فنون کا جو سودا ہے وہ منہ کا بھی پڑا ہے
 یہ درد کا افسانہ بے حرف و صدا ہے

غم خانے میں ہے شمعِ خیال آج بھی روشن
 یادوں کے دریچوں سے کوئی جھانک رہا ہے



بقدر حوصلہ ضبط نہ کر کھایا ہے
 کسی دیا رکسی آستاں کی قید نہیں
 اٹھالیا ہے نگاہوں پہ میکدہ ہم نے
 نوازشِ غم پہنہاں بہت غنیمت تھی
 صبا ئے نرم قدم ہے تمہارے غم کا خیال
 گلی گلی میں تری کج روی کے چرچے تھے
 خدا کرے کہ غم دوست ہو عطا سب کو

ضرورتوں نے مرا ظرف آزمایا ہے
 ترا خیال جہاں آیا سر جھکایا ہے
 شراب میں بھی ترے گیسو وکلا سیایا ہے
 مسرتوں نے بھری بزم سے اٹھالیا ہے
 ہجومِ درد میں ہر زخم مسکرایا ہے
 مری دفانے ترا بانچہ بن بٹھالیا ہے
 غموں کو پاکے جنوں نے جہاں کو پالیا ہے

شریکِ جام تمہارا خیال کیوں نہ رہے
 کہ میکدہ میں تمہارا خیال آیا ہے



یوں تو فریاد مری آہ بہ لب ہوتی ہے
 اُن کے ہاتھوں میں چراغِ سحری ہے یارو
 بعض اوقات بہ اندازِ کرم ہر بادی
 تیری یادوں کے جہاں شیش محل ہوتے ہیں
 پاؤں تھک جائیں جہاں میں وہیں رکھتا ہوں
 ہم مسیحا جنہیں سمجھے وہی قائم نکلے
 تاب جلوؤں کی رہے یا نہ رہے آنکھوں میں
 جراتِ عرضِ تمنا کی اجازت بھی نہیں
 آپ کے غم کی حکومت بھی عجب ہوتی ہے

دل میں کیا کیا نہ تھا کچھ کہہ نہ سکا اُن سے خیال
 کشمکشِ عرضِ تمنا کی عجب ہوتی ہے

صبح نولاتی ہے ہر شام تمہیں کیا معلوم
 بھول کر بھی جو کسی بزم میں آیا نہ گیا
 لوگ نگلشن میں تو چلتے ہیں سرفرازی سے
 کچھ اندھیرے بھی خطاوار تباہی ہیں مگر
 جس کو تم ڈھونڈتے ہو شمع رخ نازلے
 جو رخ نیست پہ تھا حرف غلط کی مانند
 جو کفن باندھ کے چلتے ہیں وفا کی رہ میں
 سُرخ رو کون ہوا کوچہ جاناں میں کبھی
 دو قدم بھی نہ چلے راہ وفا میں ہم لوگ

زخم خوشیوں کے ہیں پیغام تمہیں کیا معلوم
 سینکڑوں اس پہ ہیں الزام تمہیں کیا معلوم
 ان میں کتنے ہیں تہہ دامن تمہیں کیا معلوم
 روشنی پر بھی ہے الزام تمہیں کیا معلوم
 وہ تو عرصے سے ہے گناہ تمہیں کیا معلوم
 مل رہا ہے اُسے انعام تمہیں کیا معلوم
 زندگی کر چکے نیلِ عام تمہیں کیا معلوم
 نامور بھی ہوئے بدنام تمہیں کیا معلوم
 ہے ابھی ذوقِ طلب خام تمہیں کیا معلوم

جو عیارات کی تنہائی میں اس پر بھی خیال
 بے وفائی کا ہے الزام تمہیں کیا معلوم



لوگ کہتے ہیں کہ قاتل کو مسیحا کہیے
چہرے پڑھنا تو سبھی سیکھ گئے ہیں لیکن
جانے پہچانے ہوئے چہرے نظر آتے ہیں
آپ جس میسر کے سائے میں کھڑے ہیں اس کو
سب کے چہروں پہ ہیں اخلاق و برو کے نقا
شب کے ماتھے پہ کوئی سایہ نمودار ہوا

کیسے ممکن ہے اندھیروں کو اجالا کہیے
کیسی تہذیب ہے اپنوں کو پرایا کہیے
وقت قاتل ہے یہاں کس کو مسیحا کہیے
صحن گلشن نہیں جلتا ہوا صحر اکہیے
کس کو اپنا یہاں اور کس کو پرایا کہیے
اس کو اب پیار کے آنکھن کا سور کہیے

زہرِ تنہا ہی غم پی کے محبت میں خیال
کس طرح موت کو جینے کا سہارا کہیے



لوگ حالات کے حلقوں میں بٹ جاتے ہیں
عمر بھر چور ہے سائے کی طرح ساتھ میرے
اتنے نازک سے قدم کس کے ہیں دیکھو یارو
کس کی آنکھوں کا تصرف ہے مری راہوں میں
کوئی ماحول ہو، بازار ہو یا محفل ہو
زندہ رہنے کے لئے زہر پیئے جاتے ہیں
دیکھ کر وہ مجھے انجان چلے جاتے ہیں
جو قریب آ کے بہت دور چلے جاتے ہیں
ہر قدم پر نئے میخانے بنے جاتے ہیں
تیرے دیوانے تو پہچان لیے جاتے ہیں
کل جو گلشن میں بھی مقتل کو سجائے تھے خیال
آج وہ دشت کی دیوار بنے جاتے ہیں!



جو زندگی کا طلب گار ہو مٹا دینا
 بس ایک بار گلستاں کو دیکھ لینے دو
 شبوں کا زہر جو تقسیم کر نہیں سکتیں
 کہیں نہ ڈھونڈ لیں یادوں کے قافلے تم کو
 پھر اپنے زخموں کو دیوانے کر چکے روشن
 محبتوں میں وفا کا یہی نقشہ ہے
 سنا ہے شہر میں دیوانے پھر سے آئے ہیں

یہ ایسا دور ہے قاتل کو بھی دُعا دینا
 پھر اس کے بعد نشیمن مراجلا دینا
 تم ایسی شمعیں سرِ شام ہی بجھا دینا
 تم اپنے نقشِ کف پا کو بھی مٹا دینا
 خوشی سے فصلِ بہار ال کو اسب سدا دینا
 ہزار زخم سہی پھر بھی مسکرا دینا
 انہیں پتہ قتل کے الزام سب لگا دینا

خوشی کو بیچ کے غم کو خریدتے ہیں جہاں
 خیال ہم کو بھی اس شہر کا پتہ دینا



نیا لہو فال کنارے پر کھڑا ہے
 تم ایسے شہر میں لائے ہو مجھ کو
 ترا دیوانہ بزمِ صبح میں بھی
 اُسی کا ذکرِ گلشن میں نہیں ہے
 وہاں کیوں زندگی کو ڈھونڈتے ہو
 خدا رکھے سلامتِ جوشِ وحشت
 تمناؤں کی کشتی کھینے واٹر
 لہو انسان کا چہرہ مانگتا ہے
 جہاں ہر میکرہ ویراں پڑا ہے
 چراغِ شام بن کر بل رہا ہے
 لہو جس نے بہاروں کو دیا ہے
 جہاں انسان کانٹوں بک رہا ہے
 دیوانہ پھر چمن میں آگیا ہے
 سمندر درد کا غم مانگتا ہے

خیال اس کی پرستش کر رہا ہے
 مجھ تنھے میں جس نے غم دیا ہے



ہمارے زخم جو گلزار بن گئے یارو ہم اپنے آپ خریدار بن گئے یارو
 جوشاخِ گل کی طرح تھے کبھی گلستاں میں وہ آج وقت کی تلوار بن گئے یارو
 اُلسا کے جو نہ تازہ لہو کے پیمانے وہ زندگتنے گنہگار بن گئے یارو
 وہ دوست جن کو تکلف نہ تھا کبھی ہم سے وہ آج وقت کی گرفتار بن گئے یارو
 جلوسِ فصلِ بہاراں کے ساتھ تھے جو کبھی وہ کالی راتوں کے مینار بن گئے یارو
 ہمارا خون بھی گلشن کے کام آیا ہے چمن میں جینے کے آثار بن گئے یارو
 جو پھول میں نے چنے تھے ہزار پھولوں میں وہ پھول میرے لئے خار بن گئے یارو

خیالِ دوست نے مجروح کر دیا ہو گا
 جو چارہ گر تھے وہ بیمار بن گئے یارو!



وہ جتنے دور ہیں اتنے ہی میرے پاس بھی ہیں
یہ دیکھنا ہے ہمیں کس کا ذوق کیسا ہے
انہی پہ تہمتِ دیوانگی لگاتے ہو
جو روشنی کے لبادے کو اوڑھ کر آئے
تم اپنے شہر میں امن و اماں کی بات کرو

یہ اور بات ہے خوش ہیں مگر ادا اس بھی ہیں
یہاں شراب بھی ہے زہر کے گلاس بھی ہیں
جو اتفاق سے محفل میں روشناس بھی ہیں
شبِ سیاہ کے وہ ماتمی لباس بھی ہیں
جہاں سکوں ہے وہاں لوگِ خواص بھی ہیں

غزل کے ساز میں فیض الحسن خیالِ جہاں

وہاں پہ آہ بہ لب بھی ہیں محوِ یاس بھی ہیں



دوستو وقت کے اب شانہ بہ شانہ چلنا
 تیسرے صبح سے ٹکرائے گی جب شب کی چٹانا
 تم سے اے دوستو دیرینہ ملاقات سہی
 بچھ نہیں سکتے ہواؤں سے دھواؤں کے چراغ
 تیز رو وقت کے تم ساتھ چلے تھے لیکن
 میں تو گمنام ہوں، گمنام ہی رہنے دے مجھے
 زندگی جتن مسرت نہیں کچھ اور بھی ہے
 چھپ نہیں سکتی اندھیروں میں اجالوں کی لکیر

ورنہ خاطر میں نہ لائے گی یہ ظالم دنیا
 گونگا سناٹا بھی کچھ بولنے لگ جائیگا
 میری تفصیل میں جانے کی نہ کوشش کرنا
 بد دعا دیکھتے دیوانہ نہیں مر سکتا
 میری آواز کو سن کر تمہیں رکنا ہی پڑا
 میرے حالات کا اے دوست نہ افسانہ بنا
 آپ نے شامِ غریباں کو تو دیکھا ہوگا
 تم اندھیروں سے نکلی آؤ تو اچھا ہوگا

چاندنی ٹوٹی لوگوں نے اجالوں کی خیال
 اپنے دیوانوں کی راہوں میں اندھیرا ہی رہا!



تہاے نام سے گلشن کے کاروبار چلے
 ہم اپنے شہر کی گلیوں سے سوئے دار چلے
 دوانے کوچہ جاناں میں ہوشیار چلے
 چلن جفا کا مٹانے وفا شمار چلے
 غم حیات کا تا حشر اقتدار چلے
 کرم کی آس میں فرزانے بقرار چلے
 چین میں ظلم ہے گلچیں کا اختیار چلے

ن در چین بہار چلے
 ترا احترام کرتے ہوئے
 چہ غافل چلے سر منزل
 یہ، عزم سفر نگاہوں میں
 یہ ترازو الموت بسم کا!
 ہر روز گار زندہ باد!
 بہاروں کے منہ کو تھکتے رہے

خیال، زلفِ شکن در شکن کی بات کرو
 نفس نفس میں غنیمت ہے ذکرِ یار چلے



ہم نے صحرا کو سجا یا تھا گلستاں کی طرح
رات کا زہریلے خواب کا آنچل اور ڈھے
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اب تک بھی میں صحرا صحرا
مصلحت کو شِ زمانے کا بھروسہ کیا ہے
آج وہ لمحے مجھے ڈستے ہیں تنہا پا کر
جانے کیا بات ہے کیوں حشرِ مسرت میں ندیم
کب تک شہر کی گلیوں میں پھرو گے یارو
یہ تو پروانوں کے دل میں ہو گئیں جاتے ہیں

تم نے گلشن کو بنایا ہے بیاباں کی طرح
کون ہے ساتھ مرے گردشِ دوراں کی طرح
اسی لمحے کو جو تھا فصلِ بہاراں کی طرح
جو بھی ملتا ہے یہاں گردشِ دوراں کی طرح
کبھی محبوب تھے جو مجھ کو دل و جاں کی طرح
یاد آتی ہے تری، شامِ غریباں کی طرح
آسمانوں پہ اُردو تختِ سلیمان کی طرح
کون جلتا ہے یہاں شمعِ شبستاں کی طرح

کون خوابوں کے جزیرے سے چلا آیا خیال
دل میں اک ردِ شنی ہے صبحِ درخشاں کی طرح



جہاں جہاں بھی دیوانوں کا قص جاری ہے
فسادِ ذہن کے ماروں سے کچھ جواب تو لو
کھڑا ہے دشمنِ جاں سراٹھائے مقتل میں
جفا پہ ناز، ستم پر تمہارے خوشش ہیں ہم
عبث ہے شکوہ کہ بیگانے ہیں یہ دیوانے
ابھر سکیں گے نہ نقشِ خیال میرے کبھی

وہاں سکون پسندوں میں بے قراری ہے
چین کے ٹٹنے کی کس کس پہ ذمہ داری ہے
نمازِ عشقِ دیوانوں کی پھر بھی جاری ہے
مگر یہ کیا ہے، وفاؤں کی پاس داری ہے
نگاہِ وقت میں غم ہے نہ غمگساری ہے
حقیقتوں پہ فسانوں کا نقشہ طاری ہے

منور نکھرے گا اب اہل کارواں کا لہو

خیالِ پہرہ رہبر پہ شرمساری ہے

ایک مدت سے سربام وہ آیا بھی نہیں
جادو شوق میں تنہا بھی ہوں تنہا بھی نہیں
تم جو ناراض ہوئے ہو گئی دنیا بزم
کس کو میں دوست کہوں کس میں دشمن جانوں
آج تک سب میں پرستش تو کئے جاتا ہوں
صبح کی شمعیں لئے پھرتے ہو کیوں دیوانو
تو تخیل کے دریچے میں تھا کھویا کھویا
کس طرح غم کو میں تقسیم کروں گایارو
کب تک چلنا پڑے گا ہمیں تنہا تنہا
رُوبرُو ان کے عرسے ہونٹ نہ کھلنے پائے
جانے کیا سوچ کے اُس نے مجھے دیوانہ کہا

ہم کو اب حسرت دیدار تمنا بھی نہیں
کیا حسین ہا ہے رُسا بھی ہوں رُسا بھی نہیں
اب تو گرتی ہوئی دیوار کا سایہ بھی نہیں
سبھی اپنے میں یہاں کوئی پرایا بھی نہیں
یہ الگ بات کہ میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں
رشتہ شب تو ابھی خیر سے ٹوٹا بھی نہیں
پیکرِ حسن تجھے میں نے جگایا بھی نہیں
قصہ درد کو حالات نے سمجھا بھی نہیں
اب کسی موڑ پہ مل جائیگے ایسا بھی نہیں
دل کو اظہارِ تمنا کا سہارا بھی نہیں
ہائے اُس کو ابھی محفل پہ بھر دے بھی نہیں

راہِ بے جوڑ نے نکلا تھا میں انساں کے خیال

کسی انساں نے مجھے پیار سے دیکھا بھی نہیں



دیدہ صبح پہ شبنم کا جو احساں ہوتا
 کاش وہ حُسنِ گریزاں جو پشیمان ہوتا
 رُخ نہ کرتے کبھی ہم بھول کے میخانہ کا
 کاش وہ جراتِ اقرارِ وفا سے پہلے

دستِ احساسِ ابا لول میں نہ لرزاں ہوتا
 کس سلیقہ سے سرے درد کا درماں ہوتا
 تیری یادوں کا اگر خواب زرافشاں ہوتا
 میری یادوں کے حمیں شہر میں رقصاں ہوتا

میرے ماضی کا ہر اک زخم مہک جاتا خیال
 دو گھڑی کے لئے اے کاش وہ مہاں ہوتا!



جانے کیا سوچ کے اُس نے ستم ایجاد کیا
شمع کی طرح جلے ہم تری محفل میں مگر !
جنابش لب کی اجازت ہے نہ اذن پر واز
شکر ہے تو لے مجھے درد کے قابل سمجھا
ہائے اُس شخص کی خاطر شکنی ہوتی ہے
اپنی بربادی پہ نازاں بھی ہوں حیران بھی ہوں

خود بھی برباد ہوا مجھ کو بھی برباد کیا
تو نے کس وقت ہمیں کونسی شب یاد کیا
کس لئے تو نے مجھے قید سے آزاد کیا
تیری پیماں شکنی نے مراد دل شاد کیا
جس نے اپنے کو تیری یاد میں برباد کیا
شمعیں روشن ہوئیں جب میں نے تجھے یاد کیا

تجھ کو یہ ناز کہ تو خالقِ نغمہ ہے خیال
مجھ کو یہ فخر کہ تو نے مجھے برباد کیا



سب کے ہاتھوں میں نئے ساز نظر آتے ہیں
جن کو دعویٰ تھا رگِ جاں کے قریں پہنکا
کل جو محفل میں تری جلتے تھے شمعوں کی طرح
نالہ کش بھی ترے کوچے میں بنے نغمہ پرست
عرضِ احوال کی فرصت بھی گراں ہے یارو
یہ شبِ تار میں جو روشنی ہے زخموں کی

قافلے والے ہم آواز نظر آتے ہیں
جانے کیوں دور کی آواز نظر آتے ہیں
وہی پردانے سرفراز نظر آتے ہیں
تیری آواز کے اعجاز نظر آتے ہیں
چہرے حالات کے غماز نظر آتے ہیں
تیرے دیوانوں کے انداز نظر آتے ہیں

لذتِ بے خودی شوقِ سلامت ہے خیال
اب ستم گر بھی کرم ساز نظر آتے ہیں!



گل بد اماں نہ کوئی خارِ زباں ہے یارو
 جانے کیا بات ہے گلشن میں دھواں ہے یارو
 روشنی پیار کی تقسیم کرو آپس میں
 عظمت تاج محل اپنی جگہ خوب سہی
 رونقِ بزم ہے جس کے جنوں کے چرچے
 جوشِ غم کی نگاہوں میں پھرا کرتی تھی
 کل تو اخلاص کے بازار سجا کر تے تھے
 سکل جو بازار میں رندوں کا اہو پیتے تھے

یہ گلستاں ہے کہ خواہوں کا جہاں ہے یارو
 کوئی دیوانہ کہیں شعلہ بجاں ہے یارو
 صبحِ روشن پہ بھی ظلمت کا گماں ہے یارو
 میری آنکھوں میں فقط شاہِ جہاں ہے یارو
 آج محفل ہیں وہ دیوانہ کہاں ہے یارو
 ہائے وہ بولتی تصویر کہاں ہے یارو
 آج ہر مڑ پڑ دھوکے کی دکان ہے یارو
 آج میخانہ میں وہ پیرِ مغان ہے یارو

ان کی زلفیں جو کھلیں آگیا گلشن کا خیاں
 خود بخود ہو گیا ماحولِ غزلِ خواں ہے یارو



خلو میں پیار کا دامن جھنجھوڑ دیتے ہیں
 نگاہِ ناز میں جب تازگی نہیں ہوتی
 فسانہ غم کا سنائیں کہ گاہیں کوئی غزل
 جب اُن کی آنکھوں میں اشکوں کے ہولِ رقصا
 دلِ غریب میں اک عمر جگمگا کے وہ
 کسی کے ہونٹ جو کھلتے نہیں سرِ محفل
 نسونِ عقل کے ماروں کو نہ ہر غم دے کر

مری وفا کا وہ آئینہ توڑ دیتے ہیں
 ہم اپنے دامنِ دل کو پھوڑ دیتے ہیں
 یہ فیصلہ تری محفل پہ چھوڑ دیتے ہیں
 اصولِ غم کو موت سے توڑ دیتے ہیں
 کرم کا آس کا فانوس پھوڑ دیتے ہیں
 زباں کی بات نگاہوں پہ پھوڑ دیتے ہیں
 وہ رخِ زمانے کا اس طرح چھوڑ دیتے ہیں

لبِ حیات کی وہ تشنگی بچھا کے خیال
 غمِ حیات سے کیوں رشتہ توڑ دیتے ہیں



تمہاری بزم میں خاموش دل گچھلتے ہیں
اجائے قہر نہ بر سائیں ظلمتِ شب پر
صدائیں دی تھیں بڑے پیار سے اجالوں کے
جدھر دیوانے چلے اُس طرف بہار آئی
خود اپنے بخت کے گیسو سنور نہیں سکتے
دیوانو تم تمام لو اب بھیگی رات کا آنچل

تمام رات چراغوں کی طرح جلتے ہیں
زمینِ صبح پہ آشفۃ سر بھی جلتے ہیں
مگر ہم آج اندھیروں کے ساتھ چلتے ہیں
چمن میں اہلِ خرد صرف ہاتھ ملتے ہیں
کہاں سے گیسوئے جاناں کے بل نکلتے ہیں
سنا ہے صبح کے آنچل میں شعلے پلتے ہیں

جو تمام لیتے ہیں کمر لوں کے نرم دامن کو
خیالِ وقت کی آنکھوں میں وہ بھی سلتے ہیں



دشّتِ تنہائی میں گلزار بنے بیٹھے ہیں
آرزوؤں کے جزیرے کے معصوم سے کہو
کل جو محصور تھے تنہائی کی دیواروں میں
ہم سے آدابِ وفا پوچھتے کیا ہو یارو
ہم تمناؤں کے شاہکار بنے بیٹھے ہیں
آج وہ رونقِ بازار بنے بیٹھے ہیں
ہم محبت کے گنہگار بنے بیٹھے ہیں
سینہ شب میں اتر جائیں گے رفتہ رفتہ
سایہ گیسو سے دلدار بنے بیٹھے ہیں
ہم تمہی صبح کے آثار بنے بیٹھے ہیں
آپ آئینہ حالات کو چمکا دیجیے

رنگ کی لائے گی اب جراتِ پرواز خیال
لوگ حالات کی دیوار بنے بیٹھے ہیں



لوگ حالات کے شیشے میں اتر جاتے ہیں
 اس طرف آپ کی آنکھیں ہیں ادھر بچانہ
 زندگی ان کے ہی قدموں سے لپٹ جاتی ہے
 چہرے آتے تھے جہاں ہم بھی زخموں کے باں
 بیدار کھلتا نہیں زخموں کے گنگناں کا کبھی
 جرات غرض تمنا بھی نہیں کر سکتے
 ہم تو کانٹوں پہ بھی ہنستے ہیں مگر اہل خرد

زندگانی کے جب اوراق بکھر جاتے ہیں
 دیکھنا یہ ہے کہ دیوانے کدھر جاتے ہیں
 جو تری راہ میں ہنستے ہوئے مر جاتے ہیں
 جانے کیوں پھر اُسی صحرائیں ٹھہر جاتے ہیں
 ایک بھرتا ہے تو سوز خم ابھر جاتے ہیں
 سامنے سے وہ کئی بار گزر جاتے ہیں
 بستر گل پہ بھی بادیدہ تر جاتے ہیں

کاسے دل کو لئے شہرِ تمنا میں خیال
 ایک ایک چہرے کو ہم مٹاتے گزر جاتے ہیں



شعاعِ نورِ نظرِ برفِ بن گئی دیکھو
 نئی بہار کے دامن کی تازگی دیکھو
 کس احتیاط سے گلچیں نے سیر کردائی
 بنامِ صبحِ اندھیروں کے زخم کھائے ہیں
 جہاں میں دار و درن کی سزائیں دے دیکر
 شمیمِ دردِ اندھیروں میں پھیل جانے دو
 نہ انقلاب کی باتیں نہ ارتقا کا شعور
 اب ان کی آنکھیں چراغوں کی طرح جلتی ہیں
 بہار آتے ہی میرے جنوں کی بات چلی

گلوں سے جل گیا دامنِ زندگی دیکھو
 زمیںِ صبح پہ چسپتی ہے تیرگی دیکھو
 نسیمِ صبح بھی ہم سے نہ مل سکی دیکھو
 کھڑی ہے دشتِ تمنا میں زندگی دیکھو
 نگاہِ وقت کی محسوس بن گئی دیکھو
 پھر اس کے بعد مرے غم کی روشنی دیکھو
 جدید دور کے انساں کی آگہی دیکھو
 کہاں کی بات کہاں تک پہنچ گئی دیکھو
 خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی دیکھو

سلگ رہے ہیں نشیمنِ بھری بہاروں میں
 خیال سے کوئی کہتا ہے روشنی دیکھو



روشنی پیار کی پھیلی ہے سہ فنانے میں
 یاد اتنا ہے کہ چٹکوں سے لہو ٹپکا تھا
 تلخی غم سے وہ محروم ہوئے ہیں شاید
 کانسہ چشم میں اشکوں کو سجانے دیجئے
 مجھ کو پینے کی اجازت تو ملی ہے لیکن
 دیکھنا چشم گرم کس کے طرف اٹھتی ہے
 کم سے کم مجھ کو تو پینے سے نہ روکو ورنہ
 کیوں پاتا ہے ہمیں صبح کا امت کہہ کر

آپ ہی آپ ہیں دیوانے کے افسانے میں
 کونسا رنگ ہے ساقی ترے پیالے میں
 تندرہ جن کا نہیں صبح کے افسانے میں
 آپ کیوں روتے ہیں ہنستے ہوئے میخانے میں
 زہر قاتل بھی ہے اور می بھی ہے میخانے میں
 سب کے ہاتھوں میں تہی جام میں میخانے میں
 آگ لگ جائیگی چلتے ہوئے میخانے میں
 رات کا زہر ہے ساقی ترے پیالے میں

کب تک جتنا رہوں صبح کے دامن میں خیل
 زبردگی رک گئی ہے نور کے پیالے میں !



پہلے دیوانے کے زخموں کو تو دھویا جائے
 کب تلک دردِ مسلسل کو چھپایا جائے
 جو خیالوں کے شبستاں میں ہیں کھوئے کھوئے
 زندگی کے کسی شعبے میں بھی اے زندہ دلوا
 کوئی چہرہ بھی نہیں گردِ سفر سے میلا
 جانہیں سکتے عناد دل کہیں بیرونِ جہن
 ہر قدم پر نئے انداز کی پابندی ہے
 سورجِ آوارہ چلی آتی ہے ساحل کے قریب

پھر اے شوق سے سولی پر چڑھایا جائے
 کب تلک عرضِ تمنائیں گزارا جائے
 اے غمِ عشق انھیں کیسے جگایا جائے
 غیر کیا دوست کا احساں نہ اٹھایا جائے
 قافلے والوں کا انجام نہ دیکھا جائے
 برق کی زد میں نشیمن کو سجایا جائے
 کس طرح شہرِ تمنا کو بسایا جائے
 اب تو ساحل کے بھی دامن میں شہرِ آوارہ

اشک پیتے ہیں تو آہوں سے الجھتا ہے خیال
 اے غمِ عشق تجھے کتنا چھپایا جائے



شہر و فا کو آپ نہ مقتل بنائیے
 میں کسب سے کہہ رہا ہوں مری بات مانئے
 اس فصل نکل کا کچھ بھی سہی حق ادا تو ہو
 اب تو معاشرہ کی جبین خود ہی جھک گئی
 دوہیں گے تیرگی میں اجالوں کی بستیاں
 اپنوں کی انجمن میں کوئی اجنبی نہیں
 لوگوں نے پھر لباسِ مروت پہن لئے

اپنے ہی دوستوں کو نہ یوں مار ڈالیے
 دشمن بھی راہ میں جو ملے ٹھہر جائیے
 کانٹے نہ ہوں تو پھولوں سے رشتہ جانیے
 اب تو نگاہِ وقت سے آنکھیں ملایئے
 دشمن کے بھی گلے پہ نہ خنجر چلائیے
 لہجہ بدل کے آپ نہ ہم کو بلائیے
 بھولے سے بھی نہ زخمِ تمنا سجائیے

دامن ہوا ہے چاک بہاروں میں اے خیال
 پھولوں کی آرزو میں نہ گلشن کو جانیے



ضبط کا آس کا ہم زہر پیئے جاتے ہیں !
صبح کو ڈھونڈنے نکلے ہیں ستم دیدہ شب
اب اسیروں سے بھی کرنے لگے سودا صیاد
ہوش مندوں سے جو ممکن نہیں ہونے پاتے
وقت کا قافلہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا کبھی
کتنا نازک ہے مداوائے محبت یارو

آپ کے پیار کی ہم داد دیئے جاتے ہیں
دوش پر اپنی صلیبوں کو لئے جاتے ہیں
اب رہائی کے بھی کچھ دام لئے جاتے ہیں
تیرے دیوانوں سے وہ کام لئے جاتے ہیں
آپ کیوں وقت کو برباد کئے جاتے ہیں
پیار کے زخم نگاہوں سے پیئے جاتے ہیں

آگئے اپنی ہی آواز کے دھوکے میں خیال
دل کے صحرا کو بہاروں میں لئے جاتے ہیں



فرارِ دار پہ ہم لوگ مُسکراتے ہیں غمِ حیات تری آبرو بچاتے ہیں
تری گلی میں جو خاموش رہتے ہیں اکثر قدمِ قدم پہ نیا انقلاب لاتے ہیں
جہاں پہ عقل کے ماروں نے ہار دی بازی ترے دیوانے وہاں ہم کو باد آتے ہیں
خردزدوں سے چلے گانہ کار و بارِ جنوں وفا کی راہ میں دیوانے کام آتے ہیں
ترا کرم تو بڑی بات ہے محبت میں ترے ستم بھی دیوانوں کو راس آتے ہیں

خیالِ ضبط کی قندیل اور تیز کرو
بنامِ صبحِ اندھیرے قریب آتے ہیں!



حسنِ مغرور بھی محتاجِ شکیبائی ہے
آپ کا غم ہے شبِ تار ہے تنہائی ہے
ایک ہی بار ملاقات ہوئی ہے تم سے
فرشِ گل پر بھی میسر نہیں دانش کو سکوں
شبِ ناصبح کے آہنگن میں ٹہننے والو
مکراتے ہوئے بیمار نے آنکھیں کھولیں

بات زخموں کی بہت دور چلی آئی ہے
دلِ تماشہ ہے مرا ظرفِ تماشا ہی ہے
ایسا لگتا ہے کہ مدت سے شناسائی ہے
تیرے دیوانوں کو کانٹوں پہ بھی نیند آئی ہے
سچ بتاؤ تمہیں کب چین سے نیند آئی ہے
تیرے لہجے میں بھی اعجازِ مسیحائی ہے

دشتِ احساس میں اس کو بھی بھٹکنے دو خیال
جو غمِ عشق کا خود ساختہ سودا می ہے



راہِ وفا میں کام نہ آئیں تو کیا کریں
 شہرِ وفا کے جاگتے میخانے سو گئے
 تیرے قریب آکے بھی تجھ سے نہ مل سکے
 آگے نکل نہ جائیں بہاروں کے قافلے
 غم ہائے زندگانی بھلانے کے واسطے
 دیوانے آنسوؤں کو بھی ساقی کے پی گئے
 دیوارِ شب پہ دوستِ روشن کر د چراغ
 ہم نے تو ان کی راتوں کو نورِ سحر دیا
 ہاتھوں سے تیرے زہر نہ کھائیں تو کیا کریں
 یارِ واپ انقلاب نہ لائیں تو کیا کریں
 خاموشیوں کا زہر نہ کھائیں تو کیا کریں
 ہم اپنا آشتیاں نہ جلائیں تو کیا کریں
 اے دوست تیرے پاس نہ آئیں تو کیا کریں
 اب جشنِ تشنگی نہ منائیں تو کیا کریں
 دیوانے گرد نہ ہوش میں آئیں تو کیا کریں
 اب وہ چراغِ صبح بجھائیں تو کیا کریں

تنہائیوں نے چھین لیا ہے ترا خیال
 یادوں کی انجمن نہ سبجائیں تو کیا کریں



نہ آگہی کے لئے ہے نہ بے خودی کیلئے
انہی کا نام نہیں صبح کے فسانے میں
ہزار طرح کا سامانِ زندگی ہو مگر
کہاں تک آگئی ذوقِ نگاہ کی پستی
ترے سلوک کے زخموں کا آئینہ ہے دل
کھڑا ہوں کب سے میں تنہائی کے سمندر میں

تمہارے غم کی تمنا ہے برتری کے لئے
تمام رات جیلے تھے جو روشنی کے لئے
تمہاری یاد ضروری ہے زندگی کے لئے
اب آدمی ہی تماشا ہے آدمی کے لئے
جسے سجایا گیا ہے تری خوشی کے لئے
اٹھی نہ موج کوئی میری رہبری کے لئے

خیال کون بچے اس نظر کی مستی سے
جو پارسا کو بھی اکسائے میکشی کے لئے



گمستاں کی فسیلوں کی طرح ہو کام آئے ہیں
جنھوں نے امن و آزادی کے میخانے سجائے ہیں
ہمیں لینا نہیں ہے کچھ اجلے دیکے جانا ہے
بہاریں قص کرتی تھیں جہاں گل مسکراتے تھے
مجھے آواز دیتے ہیں درودِ یوارِ میخانہ !
سناؤں کس طرح میں گردشِ دوراں کے افسانے
انہیں کیا شہر کی تہذیب نے ہر موڑ پر لوٹا

بہار آئی تو اُن پر وقت نے پتھر چلائے ہیں
انہی کو عنصرِ نو نے زہر کے پیالے پلائے ہیں
چراغوں کی طرح محفل میں تیری جلنے آئے ہیں
وہاں اہلِ چمن نے آج کل مقتل سجائے ہیں
مرے غم آشنا سنگِ تغافل ساتھ لائے ہیں
مقدر مسکرایا آپ جب بھی مسکرائے ہیں
چمن کو چھوڑ کر وہ لوگ کیوں صحرائیں آئے ہیں

خیال اب شوق سے چلنا پڑا مقتل کی راہوں میں
سنا ہے وہ مری محرومیوں پر مسکرائے ہیں



اسیرِ گیسوئے جاناں کو جوتائیں گے
کبھی تو زہرِ پلایا کبھی تو قتل کیا
چلو کہ تیز کریں کوئے چراغوں کی
چراغ لے کے کہاں ڈھونڈتے ہو وحشی کو
شہید ہو گئے دیوانے نام لے کے ترا

تمام عمرِ محبت کے زخم کھائیں گے
کہاں تک آپ ہمیں اور آزمائیں گے
سکتی شمعوں سے پروانے روٹھ جائیں گے
تمہارے زخمِ تمنا بھی مسکرائیں گے
ہر ایک دور میں لیکن وہ یاد آئیں گے

غمِ حیات کے دامن کو تمام لیجئے خیال
مسر توں کے دیئے خود ہی جھلملائیں گے



ہم نے زندہ رہنے کے وہ اصول برتے ہیں
 جب وہ نرم لہجے میں ہم کو یاد کرتے ہیں
 ہر نئی روایت پر ہر نئے قرینے پر
 جو دماغ، پھولوں کے زخم بھی نہ ہتے تھے
 قافلے محبت کے درد کی تمنا میں
 ہر رستم گوارا ہے تیرا غم نرالا ہے
 بے خودی کے عالم میں بھیگی بھیگی راتوں میں
 کس قدر اندھیرے میں دیکھتے گلستاں میں

اب نظر ملانے کو حادثے بھی ڈرتے ہیں
 پھول کیا بہاویں کیا دشت بھی سنو سوتے ہیں
 بعض لوگ تقریباً اعتراض کرتے ہیں
 آج وہ تو کانٹوں سے بھی نباہ کر رہے ہیں
 دشت ہو کہ زنداں ہو شوق سے اترتے ہیں
 روز بھول جاتے ہیں روز یاد کرتے ہیں
 وہ مرے خیالوں کی راہ سے گزرتے ہیں
 پھول بھی بہاروں میں مسکرانے لگتے ہیں

جب خیال آتا ہے اُن کی زلفِ برہم کا
 لفظ مسکراتے ہیں قافیہ سنو سوتے ہیں



وفا کی راہ میں ترکِ شعار کیوں کرتے
 ابھر سکے نہ جہاں نقشِ تیرے قدموں کے
 مجھے تو دشتِ تمنا کی سیر کرنا تھا
 نظرِ نظر میں اگر تو نہ بس گیا ہوتا
 جنہیں مزاجِ چین کا نہیں ہے اندازہ
 بنا چکے ہو چین کو پناہ کا گاہِ خزاں
 نہ میرے پاس چین ہے نہ لالہ و گل ہیں

ترے اسیر رہا می سے پیار کیوں کرتے
 مرے قدم وہ روشِ اختیار کیوں کرتے
 کرم کا راستہ تم اختیار کیوں کرتے
 نفسِ نفس میں ترا انتظار کیوں کرتے
 گلوں کے ساتھ وہ کانٹوں سے پیار کیوں کرتے
 وہ پھر عنادِ دلِ گلشن سے پیار کیوں کرتے
 یہ غنڈ لیبِ چین مجھ سے پیار کیوں کرتے

ترے کرم میں ذرا سا بھی شک اگر ہوتا
 ترے خیال سے ہم اتنا پیار کیوں کرتے



میرے نغمات میں حالات کا افسانہ ہے
اُن کے ہاتھوں کو سرِ شام جلا دے گا جہاں
کتنے ارماں کا لہو اس میں ہوا ہے شامل
کس طرح شب کی لکیروں کا مٹایا جائے
گل نہیں ہوگا چراغِ شب امید کبھی
کس طرح بولتے سناٹے سے ہم بتا کریں
شمع کی طرح جلو رات کی تنہائی میں
خون سے جلنے لگے ہیں تری محفل کے چراغ

شہر کا شہر اسی واسطے دیوانہ —
جن کے ہاتھوں میں نئی صبح کا پروانہ —
آپ کے ہاتھ میں رنگین جو پیمانہ —
چہرہ صبح پہ بھی رات کا افسانہ —
سینہ شب میں نہاں سوزشِ پروانہ —
پس دیوار مہکتا ہوا ویرانہ —
دھل گئی رات تو پھر صبح کا افسانہ —
کون کہتا ہے کہ تو صاحبِ میخانہ —

زندگی ہائے یہ کس موڑ پہ لای ہے خیال
میں جسے اپنا سمجھتا ہوں وہ بیگانہ ہے



ہزار بار ترا سنا ہوا ہوگا
مجھے زمانے نے مڑ کر بھی دیکھے نہ دیا
اسی لئے تو ان یغیروں نے پاؤں پھیل گئے
لوہے شہر شہادت ہے سرخ رواب بھی
چمک رہے ہیں کچھ آنسو جنوں کی پلکوں پر
فرار دار پہ دیوانہ کس طرح ہنستا
جس اجنبی کو اٹھایا ہے تم نے تھل سے

دیوانہ پھر بھی ترا اجنبی رہا ہوگا
چلا تھا سوچ کے میں تیرا سنا ہوا ہوگا
رخِ سحر پہ کوئی سانپ لوٹتا ہوگا
میں سوچتا ہوں تو بے غم کا سلسلہ ہوگا
خرد کے ہاتھ میں بھی غم کا آئینہ ہوگا
ترے حسین لطف کا آسرا ہوگا
ہر اک مقام پہ وہ تم کو ڈھونڈتا ہوگا

سمجھ رہے ہو غزل کو ذریعہ تشہیر
خیال اس سے بڑا فنی پہ ظلم کیا ہوگا



تیری ابرو کے گھٹتے باب کہاں	کھل بھی جائیں تو تم کو تاب کہاں
یوں تو تجھ پر ہزار قرباں ہیں	تیرے دیوانے کا جواب کہاں
آخر شب ترے حضور میں ہوں	بے خودی ہے یہ لطف خواب کہاں
روشنی غم کی بانٹ دی ہم نے	اب ترا غم بھی دستیاب کہاں
تیرے جلووں کا سا منا کیا	میری آنکھوں میں اتنی تاب کہاں

میسکہ کو ہی چلے آج خیال !
 زیرِ غم کا کوئی جواب کہاں



دل جس کا دردِ عشق کا حامل نہیں رہا
 جب بھی حنائی ہاتھوں سے گیسو سنور گئے
 ہر آستان سے لوٹ کے آنا پڑا اسے
 محرومیاں ہی جس کا مقدر ہیں دوستو
 جب تم نہ تھے تو کچھ بھی نہیں تھا بہار میں
 دیوانے تیرے ڈوب گئے گہری غیند میں
 جب آپ مسکرائے غم دل کی بات پر

وہ شخص تیرے پیار کے قابل نہیں رہا
 آئینہ بہار مقابل نہیں رہا
 جو تیرے در پہ آنے کے قابل نہیں رہا
 وہ محفلِ نشاط کے قابل نہیں رہا
 تم آگے تو کوئی مقابل نہیں رہا
 زنداں میں شورِ طوق و سلاسل نہیں رہا
 دل، درد کو چھپانے کے قابل نہیں رہا

تنہائیوں کی بزم ہی اچھی رہی خیال
 محفل میں پُر سکون کبھی دل نہیں رہا

ہمارے دور میں انسان کی جان کتنی سستی ہے
 لیاں صبح میں جو ظلمتوں کے ساتھ چلتے تھے
 سنبھل کر سوچ کر پلنا اجالوں کے پرستار
 ابھی ذہنوں میں ہیں آرائشِ گلشن کے منصوبے
 جو زنجیر درِ خیال نہ بڑھ کر کھٹکھٹاتے ہیں
 تیراغِ شام بن کر جو ہلا ہے تیری محفل میں

ادھر قاتل کی بستی ہے ادھر قاتل پرستی ہے
 انہی کی زندگی شب میں اجالوں کو ترستی ہے
 زمین صبح پر ظلمت پرستوں کی جھی بستی ہے
 نہ کوئی صبح ہنستی ہے نہ کوئی شام ہنستی ہے
 انھیں ماحول ڈستا ہے نہی تہذیب دُستی ہے
 اندھیرا لباس کی قسمت ہے اجلا اس کی ہستی ہے

بہت ممکن ہے اب شب کی فصیلیں ٹوٹ جائیگی
 خیال اب تو دسند لگوں میں اجالوں کی رات ہو



نہ سہجکتا ہے روایات کے سیخانہ میں
زندگی بھر کی حکایات ابھی ختم ہوئیں
یوں تو پروانہ روایات شکن تھا لیکن
گرمی آدے دامن نہ سلگ جائے کہیں
زخمِ دل کھلتے ہیں یادوں کی کسک بڑھتی ہے
راز پوشیدہ ہیں سرشارِ تمناؤں کے
اب گویا کویر نہیں رات کے ڈھل جانے میں
دیر کی اُس نے پیامات کے پہنچانے میں
شمع خاموش جلی رات کے ویرانے میں
دُختا آنکھوں کی برسات کے رک جانے میں
بھولے بسرے ہوئے لمحات کے یاد آنے میں
تیری آنکھوں کے خرابات کے افسانے میں

شب کے ماتھے پہ لبِ جِس کا چمکتا ہے خیال
ذکر اُس کا ہی نہیں رات کے افسانے میں



آپ زلفوں کو پریشان کئے بیٹھے ہیں
 موسم گل میں بھی پابند سلاسل ہو کر
 میرے حالات سے ہیں آپ بخوبی واقف
 زہر بربادی غم پی کے ترے دیوانے
 اپنے دیوانے کا بے وجہ گریباں سی کر
 عندلیبانِ چین گل سے ذرا دور رہیں

کیوں مرے قتل کا سامان کئے بیٹھے ہیں
 ہم اسیری پہ بھی احسان کئے بیٹھے ہیں
 پھر بھی بربادی کے سامان کئے بیٹھے ہیں
 منزلِ عشق کو آسان کئے بیٹھے ہیں
 آپ خود چاک گریبان کئے بیٹھے ہیں
 لوگ صیاد کو مہمان کئے بیٹھے ہیں

کشتگانِ شب بھراں کو دعائیں دو خیال
 حسن دالوں کو پشیمان کئے بیٹھے ہیں !



تمہارا غم جو گریباں طلب نہیں ہوتا
اسیرِ پنجہ عمِ گردنہ ہوتا دیوانہ
ہنگامہ دوست تری بے رخی رہے قائم
سلوکِ فصلِ بہاراں سے اور بات مگر
خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی ہوتی
غموں کے زخم لگاؤ مگر قرینہ سے

مرا جنوں بھی بیاہاں طلب نہیں ہوتا
بہار میں بھی وہ زنداں طلب نہیں ہوتا
جنونِ عشق بھی دریاں طلب نہیں ہوتا
خزاں میں کون بہاراں طلب نہیں ہوتا
جنوں جو زلفِ پریشاں طلب نہیں ہوتا
جنوں سکون کا ساماں طلب نہیں ہوتا

مزاجِ غم کو سمجھتا اگر خیالِ حزیں
فغاں نصیب بیاہاں طلب نہیں ہوتا



سو قافلے بہار کے ٹھہرا رہا ہوں میں اک تیرا انتظار کئے جا رہا ہوں میں
 ساقی تری نظر سے پیے جا رہا ہوں میں تیری نظر سے کتنا قریب آ رہا ہوں میں
 اٹھا ہوں تیری ہزیم سے خالی اگر تو کیا اے دوست تیرے غم کو لئے جا رہا ہوں میں
 ماضی کی بات چھوڑیے گزری گزری گئی اب حال کے بھی نام سے گھبرا رہا ہوں میں
 اب تک ترا مزاج سمجھ میں نہ آ سکا مدت سے تیری زلف کو سلجھا رہا ہوں میں
 جب سے خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی یار و وفا کا آئینہ چمکا رہا ہوں میں

کس کی گلی ہے اس کی خبر بھی نہیں خیال
 اک شور اٹھ رہا ہے جدھر جا رہا ہوں میں



ہاتھوں میں ابھی پیار کی شہنائی کہاں ہے
 کیوں شاخِ نشیمن کی طرف میں تیری نظریں
 جس دل میں ہے تو، انجمنِ ناز ہے وہ بھی
 یہ جلتے ہیں دم بھر وہ پگھلتے ہیں سحر تک
 سلامت کے جنگی سے میں آیا ہوں گذر کر
 اس واسطے میں فصلِ بہاراں میں بھی چپ ہوا
 دشمن کی طرح مجھ سے نہ برتاؤ کرو تم

ہوڑوں پہ وفا کی کوئی بات آئی کہاں ہے
 صیاد ابھی فصلِ بہار آئی کہاں ہے
 دل ویسے کیلا سہی اتنہ سائی کہاں ہے
 شمعوں کی پتنگوں سے تنہا سائی کہاں ہے
 مجھ کو بھی بتاؤ کہ بہار آئی کہاں ہے
 زخموں کو سجاؤں تو، تماشا سائی کہاں ہے
 اپنوں سے تھی اب تم کو تنہا سائی کہاں ہے

مانوس غیال آپ ہیں گلشن کی ہوا سے
 لیکن یہ ہوا آپ کو اس آئی کہاں ہے



انھیں گواہل جہاں دار پر چڑھاتے ہیں
جو شمع رخ کے اجالوں سے دور جاتے ہیں
ذرا گزرتی بہاروں کو دیجئے دستک
شبِ فراق مرے انتظار کے آنسو
بہت حسین میں چکتے ہوئے ستاروں سے
تم اپنی زلف کو لہراؤ چھاؤں پھیلادو

غمِ حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں
تمام رات اندھیروں کے زخم کھاتے ہیں
چمن نواز حد و چمن میں آتے ہیں
چمک چمک کے اندھیروں کے کام آتے ہیں
دفا کے پھول جو آنکھوں میں مسکراتے ہیں
یہاں تھکے ہوئے راہی سکون پاتے ہیں

کہاں خیال، کہاں جاہ و وفا کا سفر!
مجھے یقین ہے وہ ساتھ ساتھ آتے ہیں



اے صاحبانِ عشقِ دلوں کو سنبھالیے
 راہِ وفا میں دشمنِ دل کو بھی پالیے
 کانٹے بھی پھول بن گئے خوشبوئے درد سے
 آنکھیں بھی فرشِ راہ ہیں دل بھی ہے فرشِ راہ
 سو بار کیجئے گردشِ دوراں کا اہتمام
 مستوں سے جا لیجئے ساتی سے اُس کا ہوش
 مانا کہ میسکہ میں کئی خود پسند ہیں
 یا ہر خوشی کے سامنے ہتیار ڈالیے
 منزلِ رسی کی دُمن میں یہ عادت بھی ڈالیے
 اتنا نہ داغِ دل کو چمن میں اچھالیے
 پھر جاں نوازِ درد کی صورت نکالیے
 سو بار کوئے یار کے قصے نکالیے
 بڑھ کر خرد کے پاؤں میں زنجیر ڈالیے
 لیکن کبھی کسی کی نہ پگڑھی اچھالیے

بادہ کشوں کی بزم میں مت جائیے خیال
 غمِ آشنا نہ ہوں تو غموں کو نہ پالیے



کنارہ دور ہے ٹوٹا ہوا سفینہ ہے
شراب گر نہیں ساقی تو زہری دیے
ابھی تو ہم نے نظر بھر کے بھی نہیں دیکھا
نگاہِ دوست سے بربادیاں چھپانے کو
وفا کے نام کی توہین کرتے ہیں وہ لوگ
غمِ حیات، غمِ آرزو، غمِ الفت

ابھی تو موجِ تلاطم میں ہم کو جینا ہے
مجھے تو تشنگیِ دل بجھانے پینا ہے
ابھی سے آپ کے ماتھے پہ کیوں پسینہ ہے
جگر کے زخم، گریباں کے چاک سینا ہے
دلوں میں جن کے عداوت ہے بغضِ کینہ ہے
ہمارا دل بھی غموں کا عجب دفینہ ہے

ہجومِ دردِ المِ شامِ غم کی تنہائی
ترے خیال کا جینا بھی کوئی جینا ہے



جب تک مزاج دوست میں کچھ برہمی رہی
جس پر نگاہِ لطفِ کرم آپ کی رہی
گو میں رہا کشاکشِ دوراں سے ہم کنار
لایا ہے عشق نے مجھے ایسے مقام پر
جو ش جنوں نے منزلِ مقصود پایا
عقلِ تسلیم دیکھتی ہی دیکھتی رہی

گویا بجھی بجھی سی مری زندگی رہی
حیرتِ اس ہر نگاہِ اسے دیکھتی رہی
لیکن مرے لبوں پہ ہنسی کھیلتی رہی
خود آگہی رہی نہ خدا آگہی رہی
عقلِ تسلیم دیکھتی ہی دیکھتی رہی

سب کچھ مجھے خیال کی دنیا میں مل گیا
لیکن تمہارے حسنِ نظر کی کمی رہی

نوازشِ غمِ جاناں بھی ہے مگر کم کم
تری بھنائے مسلسل کاشا ہمارے ہم
چمن میں نکھت گل پھیر رہی ہے آوارہ
سلامت آپ کے رخسار و لب کی نگینی
گزر کے دیکھ ذرا تو بھی غم کی وادی سے

مری حیات ہے یا انتشار کا عالم
پناہ مانگنے آتے ہیں ہم سے جو رستم
بہار مانگنے آئی ہے تیرے نقشِ قدم
نہ ہو گی شمعِ تمنا کی روشنی مدہم
کہ کس قدر ہے گراں آج اعتبارِ کرم

بہر اعتبارِ انا تم کو زیب دیتا ہے
زباں سے اپنی کہو مرکزِ خیال ہیں ہم



اے دل اچھا نہیں مصروفِ فغاں ہو جانا
 دل کی آواز بھی مجروح، جہاں ہوتی ہے
 میرے آنسو جو گرین ٹانک لو تم جوڑے میں
 اہلِ ساحل کو بھی اندازہ طوفاں ہو جائے
 رخصتِ موسمِ گل کے بھی اٹھا وِصدے
 قیدِ موسم نہیں نغماتِ عناد دل کے لیے
 میرے جینے کا سہارا تھیں جو نظریں گلِ ک
 شوقِ افزا ہے یہ اندازِ حجابِ خواباں

غم کی تو بین ہے اشکوں کا، رواں ہو جانا
 ایسے حالات میں خاموش و ہاں ہو جانا
 دیکھ لے کوئی تو پھولوں کا گماں ہو جانا
 قطرہ اشک! ذرا سیلِ رواں ہو جانا
 اتنا آساں نہیں احساسِ خزاں ہو جانا
 کوئی موسم ہو گلِ تر کی زباں ہو جانا
 کیا ستم ہے انھیں نظروں کا گراں ہو جانا
 دل میں رہتے ہوئے آنکھوں سے نہاں ہو جانا

وہ گلستاں میں جو آجائیں تو ممکن ہے خیال
 سُکراتی ہوئی کلیوں کا جواں ہو جانا



انھیں کو سینہ شرب میں اترتے دیکھا ہے
فریبِ قرب میں کتنے ہی مبتلا ہیں مگر
تبسموں کا اجالا کرم نہیں ہوتا
جنوں کی راہ سے نزدیک ہے تمہاری گلی
اگر غلوں میں نہیں ہے تو دل نہ توڑو تم
مسرتوں نے منائے ہیں کتنے جشنِ مگر

دیارِ صبح کا نقشہ جنھوں نے کھینچا ہے
تیرے مزاج کو دراصل کس نے پایا ہے
غم، احتیاط کا دھیماسا ایک شعلہ ہے
براہِ دیرو حرم اک طویل پھیرا ہے
سنائے حسنِ طبیعت ہی حسن ہوتا ہے
رخِ حیات پہ اب تک بھی غم کا غارہ ہے

نہ پوچھیے دل فیضِ الحسن خیال کا حال

دیارِ درد میں شرب ہے نہ تو سویرا ہے